فہرست

شذرات	قومی تعمیر وترقی کا صحیح راستہ	منظور الحسن	۲
قرآنیات	البقرہ (۲: ۱۸۶-۱۸۷)	جاوید احمد غامدی	۷
معارفِ نبوی	دل کا میلان	طالب محسن	۱۱
دین ودانش	قانون معاشرت (۵)	جاوید احمد غامدی	۱۷
	سیرت النبی ـــــ چند درخشاں پہلو	محمد بلال	۲۱
نقطۂ نظر	علم حدیث میں درایتی نقد کا تصور (۲)	محمد عمار خان ناصر	۳۳
یسئلون	قصۂ آدم وابلیس	محمد اسلم نجمی	۵۱
اصلاح ودعوت	سفلی علوم	محمد رفیع مفتی	۵۷
	خدا کی بندگی	محمد اسلم نجمی	۶۰
	پیغمبر کی بیعت		۶۲
	احساس زیاں	خورشید احمد ندیم	۶۴
ادبیات	خیال وخامہ (۵)	جاوید احمد غامدی	۶۷

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قومی تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ

سید احمد شہید اور سر سید احمد خان مسلمانانِ برِصغیر کے دو جلیل القدر رہنما ہیں۔ ان کے طرزِ فکر اور طریق کار کے بارے میں تو مختلف تنقیدات سامنے آتی رہی ہیں، مگر ان کے اخلاص نیت اور قومی وفاداری پر آج تک کوئی نقد و جرح کی ہمت نہیں کر سکا۔ ان رجالِ کار نے مسلمانوں کے دورِ مغلوبیت میں ان کے سیاسی وجود کے تحفظ کی جنگ لڑی۔ انھوں نے اپنے اپنے انداز میں قوم کی رہنمائی کی اور اس کی روشنی میں جدوجہد کے لیے لائحۂ عمل اختیار کیا۔ آج بھی مسلمان مغلوبیت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے وہ براہِ راست مغلوب تھے اور اب بالواسطہ ہیں۔ وہ اس سے نکلنا چاہتے ہیں، مگر اپنے قومی استحکام کے لیے صحیح راستے کا تعین کرنے سے قاصر ہیں۔ آیئے تاریخ کے اوراق میں اپنے ان رہنماؤں کے کام کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ہم اپنے لیے کوئی راہ تلاش کر سکیں۔

سید احمد بریلوی نے مسلمانوں کی سیاسی بقا کے لیے جہاد و قتال کا راستہ اختیار کیا۔ ان کے زمانے میں پنجاب اور سرحد میں سکھوں کی حکمرانی تھی۔ انھوں نے مسلمان رعایا پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ سید صاحب نے سکھوں کے خلاف مسلح جدوجہد کا نعرہ بلند کیا۔ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی اور انھیں سکھ حکومت کے بزور خاتمے کی جدوجہد پر آمادہ کیا۔ جب کچھ سرفروش جمع ہو گئے تو انھوں نے جنوری ۱۸۲۶ میں مجاہدین کا ایک قافلہ تیار کیا اور بریلی سے پشاور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ۱۸۳۰ میں انھوں نے پشاور پر قبضہ کر لیا۔ وہاں حکومت قائم کی اور اسلامی شریعت کا نفاذ شروع کر دیا۔ ابتدا میں تو مقامی لوگوں نے ان سے تعاون کیا، مگر تھوڑے ہی عرصے بعد ساتھ چھوڑ گئے۔ سید صاحب کی حکومت کے خلاف بغاوت ہو گئی اور ایک ہی رات میں بیشتر حکومتی ذمہ داروں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ جنگ و جدال کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کے نتیجے میں مجاہدین کی بڑی تعداد شہید ہو گئی۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر سید احمد نے اس سرزمین کو چھوڑ کر ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس موقع پر انھوں نے فرمایا:

> ''اس سیاست سے ہماری غرض یہ نہ تھی کہ صاحب ملک و جاہ بن جائیں، ہم تو محض اللہ کے بندوں کی تہذیب و تادیب چاہتے تھے۔ اب ہم انھیں منتقم حقیقی کے انصاف پر چھوڑتے ہیں اور بقیہ رفیقوں کے ساتھ دوسرے ملک کا راستہ لیتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com

ہم اپنے وطن کو چھوڑ سکتے ہیں۔ جہاں کہیں صادق القول لوگ مل جائیں گے، وہاں مقیم ہو جائیں گے۔اس ملک پر انحصار نہیں۔'' (پاکستان کا نظام حکومت اور سیاست، ڈاکٹر ایم اے رزاق ۴۱)

ہجرت کا سفر ابھی جاری تھا کہ وادیِ کاغان کے ایک سردار نے سکھ فوجوں کے خلاف مدد کی درخواست کی۔ سید صاحب نے اسے قبول کیا اور بالاکوٹ پر قبضہ کر لیا۔سکھ حکومت کے بیس ہزار کے لشکر نے بارہ سو مجاہدین پر حملہ کر دیا۔ مجاہدین کی اکثریت اس معرکے میں شہید ہو گئی۔ سالارِ قافلہ سید احمد بھی بے دردی سے قتل کر دیے گئے۔سکھوں نے بالاکوٹ پر قبضہ کر لیا۔مکانوں کو آگ لگا دی۔شہریوں کا قتل عام کیا، یہاں تک کہ بیماروں اور زخمیوں کو بھی مار ڈالا۔

سید احمد بریلوی اور ان کے رفقا جانتے تھے کہ ان کے پاس اقتدار کی قوت نہیں ہے؛ وہ اس بات سے آگاہ تھے کہ وہ ایک منظّم حکومت کے خلاف جنگ کے لیے نکل رہے ہیں؛ انھیں معلوم تھا کہ ان کے سپاہی باقاعدہ فوجی تربیت کے حامل نہیں ہیں اور نہ پوری طرح اسلحہ سے لیس ہیں؛ وہ اس بات کا علم رکھتے تھے کہ ان کے چند سو افراد کے مقابلے کے لیے ہزاروں کا لشکرِ جرار موجود ہے؛ اور وہ اس بات سے بھی واقف تھے کہ دنیا کی سپر پاور برطانوی حکومت کی تائید ان کے مقابلے میں سکھوں کو حاصل ہے۔اس سب کچھ کے باوجود انھوں نے مسلح جنگ کا اقدام کیا اور جامِ شہادت نوش کیا۔

اس اسلوبِ جدوجہد کو اگر ہم اصولی لحاظ سے بیان کرنا چاہیں تو ان نکات میں بیان کر سکتے ہیں:

۱۔ مقتدر قوتوں کے ساتھ تصادم کا طرزِ عمل

۲۔ جہاد و قتال اور ہجرت کی ترغیب

۳۔ مسلح گروہوں کا قیام

۴۔ سیاسی جدوجہد کے لیے مسلح اقدامات

جدوجہد کے اس انداز سے جو نتائج برآمد ہوئے، وہ یہ ہیں:

ایک یہ کہ مسلمانانِ ہند انگریز حکمرانوں کے لیے ایک محارب قوت کے طور پر سامنے آئے۔ چنانچہ ان کے دل میں ان کے لیے عناد پیدا ہو گیا اور انھوں نے مسلمانوں پر ترقی کے دروازے بند کرنے شروع کر دیے۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں نے ردعمل کے طور پر انگریز قوم اور اس کی تہذیب و تمدن کے ساتھ ساتھ علومِ جدیدہ کی بھی مخالفت کی اور اس طرح انھوں نے دورِ جدید میں ترقی کے بنیادی عنصر کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

تیسرے یہ کہ قوم کے باصلاحیت اور مخلص نوجوانوں نے مقتل کا رخ کیا اور قومی ترقی اور خدمت دین میں کوئی کردار ادا کیے بغیر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنے رسالے ''تجدید و احیائے دین'' میں سید احمد بریلوی کی اس تحریک کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔اس کے خصائص کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

''انھوں نے عامۂ خلائق کے دین، اخلاق اور معاملات کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور جہاں جہاں ان کے اثرات پہنچ سکے، وہاں زندگیوں میں ایسا زبردست انقلاب رونما ہوا کہ صحابۂ کرام کے دور کی یاد تازہ ہوگئی ...... انھوں نے دنیا کے سامنے پھر ایک مرتبہ روحِ اسلامی کا مظاہرہ کر دیا۔ ان کی جنگ ملک و مال یا قومی عصبیت یا کسی دنیوی غرض کے لیے نہ تھی، بلکہ خالص فی سبیل اللہ تھی۔ ان کے سامنے کوئی مقصد اس کے سوا نہ تھا کہ خلق اللہ کو جاہلیت کی حکومت سے نکالیں اور وہ نظامِ حکومت قائم کریں جو خالق اور مالک الملک کے منشا کے مطابق ہے ...... یہ خدا سے ڈرنے والے، آخرت کے حساب کو یاد رکھنے والے اور ہر حال میں راستی پر قائم رہنے والے تھے، خواہ اس پر قائم رہنے میں ان کو فائدہ پہنچے یا نقصان۔ انھوں نے کہیں شکست کھائی تو بزدل ثابت نہ ہوئے اور کہیں فتح پائی تو جبار اور متکبر نہ پائے گئے۔ اس شان کے ساتھ خالص اسلامی جہاد ہندوستان کی سرزمین میں نہ ان سے پہلے ہوا تھا اور نہ ان کے بعد ہوا۔ ان کو ایک چھوٹے سے علاقہ میں حکومت کرنے کا موقع ملا، انھوں نے ٹھیک اس طرز کی حکومت قائم کی جس کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہا گیا ہے ...... ہر پہلو میں انھوں نے اس حکمرانی کا نمونہ ایک مرتبہ پھر تازہ کر دیا جو صدیق و فاروق نے کی تھی۔'' (تجدید و احیاے دین، سید ابوالاعلیٰ مودودی ۱۱۵)

سید صاحب اور ان کے رفقا کے ان اعلیٰ خصائص کے باوجود مولانا مودودی صاحب نے جن کا اپنا فکر اسی اسلوبِ جدوجہد کا آئینہ دار ہے، نتائج کے اعتبار سے اسے ایک ناکام تحریک کہا ہے اور اس ناکامی کا ایک اہم سبب دورِ جدید سے عدم توجہی کو قرار دیا ہے:

''سید صاحب اور شاہ اسماعیل شہید جو عملاً اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے اٹھے تھے، انھوں نے سارے انتظامات کیے، مگر اتنا نہ کیا کہ اہل نظر علما کا ایک وفد یورپ بھیجتے اور یہ تحقیق کراتے کہ یہ (انگریز) قوم جو طوفان کی طرح چھاتی چلی جا رہی ہے اور نئے آلات، نئے وسائل، نئے طریقوں اور نئے علوم و فنون سے کام لے رہی ہے، اس کی اتنی قوت اور اتنی ترقی کا کیا راز ہے۔ اس کے گھر میں کس نوعیت کے ادارات قائم ہیں، اس کے علوم کس قسم کے ہیں۔ اس کے تمدن کی اساس کن چیزوں پر ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے۔ جس وقت یہ حضرات جہاد کے لیے اٹھے ہیں، اس وقت یہ بات کسی سے چھپی نہ تھی کہ ہندوستان میں اصلی طاقت سکھوں کی نہیں، انگریزوں کی ہے، اور اسلامی انقلاب کی راہ میں سب سے بڑی مخالفت اگر ہوسکتی ہے تو انگریز ہی کی ہوسکتی ہے، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ان بزرگوں کی نگاہِ دوررس سے معاملہ کا یہ پہلو بالکل ہی اوجھل رہ گیا کہ اسلام و جاہلیت کی کشمکش کا آخری فیصلہ کرنے کے لیے جس حریف سے نمٹنا تھا، اس کے مقابلہ میں اپنی قوت کا اندازہ کرتے اور اپنی کمزوری کو سمجھ کر اسے دور کرنے کی فکر کرتے۔ بہرحال جب ان سے یہ چوک ہوئی تو اس عالمِ اسباب میں ایسی چوک کے نتائج سے وہ نہ بچ سکتے تھے۔''

(تجدید و احیاے دین، سید ابوالاعلیٰ مودودی ۱۲۸)

سید احمد شہید کے طرزِ جدوجہد کے بعد اب سرسید احمد خان کے اسلوبِ جدوجہد کا جائزہ لیتے ہیں۔

انگریز ۱۸۴۶ء تک کم و بیش پورے ہندوستان پر عملاً قابض ہو چکے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں اہلِ ہند بالخصوص مسلمانوں نے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مغلیہ سلطنت کی بحالی کے لیے پہلے بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا مغل اور پھر جنرل بخت خان کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی۔ کچھ دنوں کے لیے دہلی پر قبضہ بھی کر لیا، مگر بالآخر شکست کھائی۔ اس بغاوت میں اگرچہ ہندو بھی شریک تھے، مگر اس کا غلغلہ چونکہ دہلی اور اودھ کے مسلم علاقوں میں زیادہ تھا اور یہ مسلمان حکومت کی بحالی کی لیے لڑی گئی تھی، اس لیے اس کا الزام بھی اصلاً مسلمانوں ہی کے سر آیا۔ اس بغاوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزاروں مسلمان مارے گئے اور عام مسلمان شہریوں پر سیاسی، معاشی اور علمی ترقی کے دروازے بند ہو گئے۔

اس جنگ کے موقع پر سر سید احمد خان بجنور میں جج کے عہدے پر تعینات تھے۔ یہاں انھوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کئی انگریزوں کی جانیں بچائیں۔ انگریز حکمران مسلمانوں کو جنگِ آزادی کا واحد ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے۔ سر سید نے ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا جس میں انھوں نے مسلمانوں کی پوزیشن کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ ''طعام اہل کتاب'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا جس کا مقصد انگریزوں پر یہ واضح کرنا تھا کہ اسلام عیسائیوں کا کھانا کھانے کی اجازت دیتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اقتدار کے خاتمے نے مسلمانوں کو ردِ عمل کی ایک خاص نفسیات میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ انگریزی معاشرت کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم کا بھی بائیکاٹ کرنے پر مصر تھے۔ سر سید نے انھیں اس کے برعکس اس بات کی ترغیب دی کہ وہ میسر مواقع سے فائدہ اٹھائیں اور صبر و حکمت کے ساتھ نئے مواقع پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ انھوں نے ''سائنٹیفک سوسائٹی'' قائم کی جس کا مقصد مغربی علوم کو متعارف کرانا تھا۔ اسی طرح انھوں نے ''تہذیب الاخلاق'' کے نام سے ایک علمی و تحقیقی جریدہ جاری کیا۔ سر سید نے اس بات کو بہت اچھی طرح بھانپ لیا تھا کہ اگر مسلمانوں نے اپنے آپ کو جدید تعلیم کے زیور سے آراستہ نہ کیا تو وہ ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ اس سلسے میں انھوں نے علی گڑھ میں ایک مدرسہ قائم کیا جو دو سال بعد ہی کالج بن گیا اور بالآخر اسے ایک یونیورسٹی کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

سر سید نے مسائل کے حل کے لیے سیاسی طرزِ عمل اختیار کرنے کو ترجیح دی۔ انھوں نے ۱۸۸۶ء میں اہلِ ہند کی شکایات کو حکومت تک پہنچانے کے لیے ''برٹش انڈین ایسوسی ایشن،، کے نام سے ایک فورم قائم کیا۔ اسی طرح انھوں نے ۱۸۹۳ء میں ''محمڈن اینگلو اورینٹل ڈیفنس ایسوسی ایشن'' قائم کی۔ اس کا مقصد مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ تھا اور انھیں ایک ایسا پلیٹ فارم فراہم کرنا تھا جہاں وہ اپنے مسائل کو زیرِ بحث لا سکیں۔

سر سید کے اس اندازِ کار کو ہم ان نکات میں بیان کر سکتے ہیں:

۱۔ مقتدر قوتوں سے موافقت کا طرزِ عمل

۲۔ علوم و فنون کے ذریعے سے موثر ہونے کی ترغیب

۳۔ تعلیمی اداروں کا قیام

۴۔سیاسی جدوجہد کے لیے پرامن اقدامات

سر سید احمد خان کے اسلوب جدوجہد کے یہ نتائج نکلے:

ایک یہ کہ حکمران طبقے کے معاندانہ رویے میں کمی آئی اور مسلمانوں کے لیے بھی معاشی ترقی کے دروازے کھلنے لگے۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے ذہین اور مخلص نوجوان میدانِ جنگ کے بجائے میدانِ علم کی طرف بڑھے اور قومی تعمیر کے لیے سرگرم ہو گئے۔

تیسرے یہ کہ مسلمانوں نے قیمتی جانیں ضائع کیے بغیر ہند میں اپنا سیاسی تشخص بحال کیا اور بتدریج دو بڑی مسلمان ریاستوں کو وجود بخشا۔

مولانا امین احسن اصلاحی سر سید کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''یہ ایک واقعہ اور حقیقت ہے کہ وہ مسلمان قوم کے ایک بہت بڑے لیڈر تھے۔ انھوں نے تاریخ کے ایک نہایت ہی نازک دور میں مسلمانوں کی خدمت کی اور ایسے اخلاص کے ساتھ خدمت کی کہ اس اخلاص کی کم از کم پچھلے دور میں تو مثال ملنی مشکل ہے۔ یہ ان کے خلوص ہی کی برکت تھی کہ نہایت اعلیٰ قابلیتوں اور نہایت بلند سیرت و کردار کے اتنے رجال وقت انھوں نے اپنے گرد جمع کر لیے کہ ہمارے لیڈروں میں سے کوئی دوسرا شخص ان صفات اور صلاحیتوں کے اتنے اشخاص اپنے گرد جمع نہ کر سکا۔ شبلی، حالی، نذیر احمد، محسن الملک، وقار الملک، کس کس کو گنیے؟ ان میں سے ایک ایک شخص اپنے علم و فضل اور اپنی خدماتِ قومی کے لحاظ سے تمام مسلمانوں کے لیے قابلِ فخر ہے...... میرے استاذ مولانا حمید الدین فراہی سر سید مرحوم کی تفسیرِ قرآن کو ایک فتنہ سمجھتے تھے، لیکن ان کے قومی خلوص اور ان کے کردار کی بلندی کے بڑے مداح تھے۔''

(تفہیم دین، مولانا امین احسن اصلاحی ۱۷۵)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان دونوں شخصیات اور ان کے کام کا تعلق ہماری قریب کی تاریخ سے ہے۔ ہم اس کی تفصیلات کو پڑھ سکتے اور ان کے نتائج کا جزئیات کی حد تک مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ کون سا لائحۂ عمل کامیاب رہا اور کون سا ناکام؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ہمیں کسی علمِ کلام کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اسے قرطاسِ ارضِ ہند پر رقم دیکھ سکتے ہیں۔

_____ منظور الحسن

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

(۳۷)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور (میری اِس ہدایت کے بارے میں، اے پیغمبر)، جب میرے بندے تم سے کوئی سوال کریں تو (اِن سے کہہ دو کہ اِس وقت) میں اُن سے قریب ہی ہوں[۴۹۴]۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کی پکار کا جواب دیتا ہوں[۴۹۵]۔ لہٰذا اُن کو چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں[۴۹۶] تاکہ وہ صحیح راہ پر رہیں۔ ۱۸۶

[۴۹۴] یعنی اس وقت جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہے، تم ان کے درمیان موجود ہو اور تمھاری وساطت سے وہ جب چاہیں، مجھ سے ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ ان سوالات کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے جو شریعت کی شرح و تبیین کے لیے ضروری تھے۔ اس سے مراد وہ غیر ضروری سوالات نہیں ہیں جن سے قرآن میں دوسری جگہ لوگوں کو منع کیا گیا ہے۔

[۴۹۵] یہ اگرچہ عام حالات میں بھی ایک حقیقت ہے، لیکن یہاں اس سے مراد بالخصوص وہ جواب ہے جو زمانۂ نزول قرآن میں لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے فوراً مل جاتا تھا۔ اس طرح کے متعدد سوالوں کے جوابات اس سے آگے اسی سورہ میں بیان ہوئے ہیں۔

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ، ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ ، فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ

(تم پوچھنا چاہتے ہو تو لو ہم بتائے دیتے ہیں کہ)[497] روزوں کی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جانا[498] تمھارے لیے جائز کیا گیا ہے۔[499] وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے لباس ہو۔[500] اللہ نے دیکھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے[501] تو اُس نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے درگزر کیا۔[502] چنانچہ اب (بغیر کسی تردد کے) اپنی بیویوں

---

[۴۹۶] یعنی میں جب ان کے قریب بھی ہوں اور ان کی ذہنی الجھنوں کو دور کرنے کے لیے ان کے سوالوں کا جواب بھی دے رہا ہوں تو میرے ساتھ ان کو کوئی منافقانہ رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے اور نہ میرے کسی حکم کو شبہات و اعتراضات کا ہدف بنانا چاہیے، بلکہ پورے ایمان و یقین کے ساتھ اس کی پیروی کرنی چاہیے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

[۴۹۷] یہ تبیین کی آیت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اوپر کی تمہید لوگوں کی اسی الجھن کے پیش نظر اٹھائی گئی تھی جسے اس آیت میں دور کیا گیا ہے۔ آگے کی آیات سے واضح ہو گا کہ اس سے حوصلہ پا کر انھوں نے پے در پے سوالات کیے اور قرآن نے بار بار سلسلۂ بیان کو روک کر ان سوالوں کا جواب دیا ہے۔ اس طرح کی آیات کو ہم نے ہر جگہ اصل مضمون سے الگ اسی طرح نمایاں کر دیا ہے۔

[۴۹۸] اصل میں لفظ 'الرفث' آیا ہے۔ اس کے معنی شہوانی باتوں کے ہیں، لیکن اس کے ساتھ 'الی' کے صلے نے اس کے اندر بیویوں سے اختلاط کا مضمون پیدا کر دیا ہے۔

[۴۹۹] یعنی یہ اگرچہ پہلے ہی جائز تھا، لیکن تمھارے تردد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ روزوں کی رات میں تم بیویوں کے پاس جا سکتے ہو۔

[۵۰۰] مطلب یہ ہے کہ تم دونوں میں ایسا چولی دامن کا رشتہ ہے اور باہم دگر تم فطرت کے ایسے بندھن میں بندھے ہوئے ہو کہ ناگزیر ضرورت کے سوا تمھیں کسی حالت میں بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں رکھا جا سکتا۔ میاں بیوی کے تعلق کو بیان کرنے کے لیے لباس کا یہ استعارہ، اگر غور کیجیے تو نہایت بلیغ استعارہ ہے۔ لباس کے تین پہلو ہیں: پردہ پوشی، حفاظت اور زینت۔ مرد و عورت ان تینوں ہی پہلوؤں سے ایک دوسرے کے لیے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے جنسی جذبات اور داعیات کے لیے باہم دگر پردہ بھی فراہم کرتے ہیں، شیطان کے حملوں سے ایک دوسرے کی حفاظت کا ذریعہ بھی بنتے ہیں اور باہمی ربط و تعلق سے زندگی کو وہ تمام رونقیں اور بہاریں بھی عطا کر دیتے ہیں جن سے دنیا میں تہذیب و تمدن کا حسن نمایاں ہوتا ہے۔

فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ
لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى
الَّيْلِ، وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِى الْمَسْجِدِ، تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا

کے پاس جاؤ اور (اِس کا جو نتیجہ) اللہ نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے، اُسے چاہو،[503] اور کھاؤ پیو، یہاں تک کہ رات کی سیاہ دھاری سے فجر کی سفید دھاری تمھارے لیے بالکل نمایاں ہو جائے۔[504] پھر رات تک اپنا روزہ پورا کرو۔ اور (ہاں)، تم مسجد میں اعتکاف[505] بیٹھے ہو تو (پھر رات کو بھی) اُن کے پاس نہ جانا۔[506] یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، سو

---

[۵۰۱] یعنی اپنے خیال کے مطابق یہ سمجھتے ہوئے کہ رمضان کی راتوں میں بیویوں کے پاس جانا جائز نہیں ہے، اس کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہود کے ہاں روزہ افطار کے بعد معاً پھر شروع ہو جاتا تھا اور وہ روزے کی رات میں کھانے پینے اور بیویوں کے پاس جانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ مسلمانوں نے اس سے گمان کیا کہ ان کے لیے بھی یہی قانون ہو گا، لیکن پھر ان میں سے بعض لوگ یہ گمان اپنے دلوں میں رکھتے ہوئے اس کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ قرآن نے اسے اپنے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا ہے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے۔ آدمی اگر اپنے اجتہاد یا گمان کے مطابق کسی چیز کو دین و شریعت کا تقاضا سمجھتا ہے تو اس سے قطع نظر کہ وہ فی الواقع شریعت کا حکم ہے یا نہیں، اس کی خلاف ورزی اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ اسے ضمیر کے ساتھ خیانت ہی سے تعبیر کیا جائے گا۔

[۵۰۲] یعنی اس خیانت پر گرفت ہو سکتی تھی، لیکن یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے تمھیں معاف فرما دیا۔

[۵۰۳] اس طرح کے معاملات میں لوگ چونکہ ہر لحاظ سے واضح ہونا چاہتے ہیں، اس لیے نہایت بلیغ اسلوب میں بتا دیا کہ اگر چاہو تو اس تعلق سے اولاد بھی پیدا کرو۔ نتیجہ اور عمل، دونوں کے لحاظ سے اب اس معاملے میں تمھیں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔

[۵۰۴] اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے اور بیویوں کے پاس جانے کی یہ اجازت صبح صادق کے اچھی طرح نمایاں ہو جانے تک ہے۔ اس وجہ سے معمولی تقدیم و تاخیر پر اپنے یا دوسروں کے روزے مشتبہ قرار دے بیٹھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

[۵۰۵] یہ ایک دینی اصطلاح ہے جس سے مراد ہر چیز سے الگ ہو کر کسی معبد میں یادِ الٰہی کے لیے گوشہ نشین ہو جانا ہے۔ اس کی حیثیت ایک سنت ثابتہ کی ہے جو انبیا علیہم السلام کے دین میں ہمیشہ جاری رہی ہے۔ قرآن کے مخاطبین اس سے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تَقۡرَبُوۡهَا ۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸۷﴾

اِن کے قریب نہ جاؤ۔[۵۰۷] اللہ اِسی طرح اپنی آیتیں لوگوں کے لیے واضح کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔[۵۰۸] ۱۸۷

پوری طرح واقف تھے، لہٰذا اس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس کی تفصیل کی جائے۔ قرآن کے الفاظ سے اتنی بات، البتہ واضح ہے کہ روزوں کے مہینے سے اس عبادت کو خاص مناسبت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

[۵۰۶] اس عبادت سے مقصود چونکہ 'تبتل الی اللّٰہ' ہے اور اس میں آدمی کو پورے دل سے اپنے پروردگار ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ انسانی حاجات کے لیے باہر نکلنے کے سوا وہ مسجد ہی میں قیام کرے، اس وجہ سے اس کے دوران میں بیویوں سے ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی۔

[۵۰۷] یعنی حدود الٰہی کی خلاف ورزی سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کے لیے ان سے ذرا دور ہی دور رہنا چاہیے تاکہ بھولے سے بھی قدم کہیں معصیت کی حد میں نہ جا پڑے۔

[۵۰۸] یہ الفاظ قرآن میں بالعموم ان آیات کے بعد آتے ہیں جو کسی حکم کی وضاحت کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ قرآن سے متعلق یہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کی تکمیل ہے جس کا ذکر سورۂ قیامہ میں ہوا ہے کہ 'ثم ان علینا بیانہ' (پھر ہمارے ہی ذمے ہے کہ ہم اس کی وضاحت کر دیں)۔ اس طرح کی وضاحت سے مقصود یہی ہوتا ہے کہ حکم میں کوئی تردد باقی نہ رہے اور بندۂ مومن کا قدم تقویٰ میں مزید راسخ ہو جائے۔

(باقی)

''بعض لوگ اپنے دین داری کے کاموں کو بڑی اہمیت دے بیٹھتے ہیں اور اپنے زعم میں وہ اللہ اور رسول کے محسن بن جاتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی جو اپنے رب کے حضور میں کوئی پیش کرتا ہے، کیا اس کی اپنی ہوتی ہے؟ اگر اس نے اپنا سارا مال خدا کی راہ میں لٹا دیا تو یہ مال خدا ہی کا دیا ہوا تھا۔ اگر کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ یہ اس نے اپنی صلاحیت و قابلیت سے حاصل کیا تھا تو اسے یہ بھولنا نہ چاہیے کہ یہ قابلیت اور صلاحیت بھی کوئی اپنے گھر سے نہیں لایا، بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی بخشتا ہے۔ مال تو درکنار اگر کوئی شخص اپنی جان بھی، جس سے بڑی انسان کے پاس کوئی چیز نہیں ہے، اللہ کی راہ میں قربان کر دے تو اس پر بھی فخر کے بجائے اعترافِ تقصیر ہی کرنا چاہیے۔'' (تزکیۂ نفس، مولانا امین احسن اصلاحی ۹۲/۲)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

طالب محسن

دل کا میلان

(مشکوٰۃ المصابیح حدیث:۸۹)

وعن عبد اللّٰه بن عمرو قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، إن قلوب بنی آدم کلها بین أصبعین من أصابع الرحمن کقلب واحد، یصرف کیف یشاء۔ ثم قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتك۔

''حضرت عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام بنی آدم کے دل رحمان کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں ایسے ہیں جیسے ایک دل ہو۔ وہ جیسے چاہتا ہے ان کو پھیرتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ دلوں کے پھیرنے والے، ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔''

لغوی مباحث

قلوب: 'قلوب'، 'قلب' کی جمع ہے۔ یہ اس آلہ کا عربی نام ہے جو جسم میں خون کی گردش جاری رکھنے کے لیے سینے میں دھڑکتا رہتا ہے۔ لیکن یہ لفظ غالباً تمام زبانوں میں انسان کی فہم وعقل کی باطنی صلاحیت اور اس کے جذبات وخواہشات کے مرکز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات اسے انسان کی اصل شخصیت کو تعبیر کرنے کے لیے بھی بولا جاتا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہے۔قرآن مجید میں بھی یہ لفظ ان تمام پہلووں کے لیے استعمال ہوا ہے، بلکہ قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سینے میں دھڑکتا ہوا دل ہی بصیرت کا منبع ہے۔سورۂ حج میں ہے:

فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَ لٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔(۲۲:۴۶)

''کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔''

بین أصبعین من أصابع الرحمان : لفظی مطلب ہے رحمان کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں۔لیکن یہاں اس سے ہر دل کے خدا کے تصرف میں ہونے کا پہلو واضح کرنا مقصود ہے۔ یہاں یہ بحث بے محل ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کی انگلیاں ہوتی ہیں یا نہیں؟ یہ زبان کا ایک اسلوب ہے۔یہ الفاظ دل کے خدا کے تصرف میں ہونے کو چشم تصور کے ذریعے سے محسوس کرانے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔خدا کی ذات کے بارے میں کوئی اطلاع ان میں نہیں ہے۔دو انگلیوں سے بعض شارحین نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی دو صفات جلال واکرام یا رحمت وقہر مراد ہیں۔یعنی وہ جسے چاہتا ہے نیکی سے برائی یعنی ثواب سے سزا کی طرف پھیر دیتا ہے۔یہ نکتہ دل چسپ ضرور ہے،لیکن زبان و بیان کے قواعد کی روشنی میں یہ محض تکلف ہے۔

یصرف : 'التصریف' کے معنی پھیرنے اور پلٹنے کے ہیں۔دل کے ساتھ متعلق ہونے کے پہلو سے یہاں دل کا رخ بدلنے کے معنی میں آیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متون

کتب حدیث میں اس روایت کے دو متن ملتے ہیں۔ایک متن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقع پر یہ بیان کیا کہ ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہے۔وہ اسے جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ اے دلوں کے پھیرنے والے، میرا دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔دوسرے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ دعا اکثر کیا کرتے تھے۔اس پر لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا اور آپ سے اس دعا کا سبب پوچھا۔اس کے جواب میں آپ نے یہ بات واضح کی کہ ہر آدمی کا دل اللہ کی گرفت میں ہے، وہ اسے جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت ایک موقع پر کچھ صحابہ کو پیش آئی۔ایک موقع پر ام المومنین حضرت سلمہ کو اور کسی دوسرے موقع پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیش آئی۔ان تین موقعوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا سوال ان الفاظ میں روایت ہوا ہے:

فقلت (سلمة) یا رسول اللّٰہ ما أ کثر

''(حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں): میں نے

دعاء ك يا مقلب القلوب ثبت قلبي علي دينك۔

پوچھا: اے اللہ کے رسول، آپ کتنی زیادہ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے دلوں کے پھیرنے والے میرا دل اپنے دین پر جما دے۔''

فقلنا يا رسول الله آمنا بك و بما جئت به فهل تخاف علينا۔

''ہم نے پوچھا اے اللہ کے رسول ہم آپ پر ایمان لائے کیا آپ ہمارے بارے میں اندیشہ رکھتے ہیں۔''

فقلت (عائشة) بأبي أنت و أمي يا رسول اللّٰه أ تخاف و أنت رسول اللّٰه؟

''(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں): میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ، میرے ماں باپ آپ پر فدا آپ اندیشہ رکھتے ہیں، جبکہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟''

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

باقی فرق محض لفظی ہیں، مثلاً: 'قلوب' کی جگہ 'قلب'، 'الرحمان' کے بجائے 'الجبار' اور 'علي دينك' کے بدلے 'علي طاعتك' کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح 'صرِّف' کی جگہ 'اصرف' اور 'مقلب' کے بجائے 'مصرف' بھی روایت ہوا ہے۔ البتہ نتیجہ کا جملہ مختلف طریقوں سے آیا ہے۔ 'يصرف حيث يشاء' کی جگہ 'إن شاء اقامه و إن شاء أزاغه' یا 'إذا شاء يقلب قلبه' یا 'فمن شاء أن يقلبه من الضلالة إلى الهدى أو من الهدى إلى الضلالة' کے الفاظ آئے ہیں۔

بنیادی طور پر یہ روایت فرد سے متعلق ہے۔ لیکن بعض روایات میں یہ جملہ بھی مروی ہے:

و الميزان بيد الرحمٰن يرفع أقواما و يخفض آخرين إلى يوم القيامة۔

''ترازو رحمان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ کچھ قوموں کو اٹھاتا ہے اور دوسری کو جھکاتا ہے۔ (یہ صورت) قیامت تک کے لیے (قائم ہے)۔''

اس روایت کے کچھ متون مختصر ہیں اور کچھ مفصل ہیں۔ یعنی کچھ مرویات میں صرف دعا مذکور ہے۔ اور کچھ میں صرف تصریف قلوب والا جملہ روایت ہوا ہے۔

معنی

یہ روایت بنیادی طور پر اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتے ہیں کسی انسان کا دل پھیر دیتے ہیں۔ وہ جسے چاہتے ہیں راہ حق پر لگا دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں گمراہی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے رہتے تھے کہ اے دلوں کے پھیرنے والے میرا دل اپنی اطاعت پر جما دے۔ میرا دل اپنے دین کی طرف پھیر

دے۔صاحب مشکوٰۃ اور بعض دوسرے محدثین نے بھی اسے تقدیر کے عنوان کے تحت لیا ہے۔اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہدایت وضلالت سراسر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ان کی مرضی ہے وہ کسی کو نیکوکار بنا دیں اوران کی رضا ہے وہ کسی کو بدکار بنا ڈالیں۔اس روایت کے یہ معنی لینا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں ہے۔

دل کیا، پوری کائنات خدا کی گرفت میں ہے۔وہ جس وقت جو چاہے وقوع پزیر کر سکتا ہے۔اس نے یہ زمین وآسمان استوار کیے ہوئے ہیں۔وہ جب چاہے ان کی بساط لپیٹ سکتا ہے۔لیکن اس نے طے کیا ہے کہ وہ ان کی بساط قیامت برپا کرنے کے موقع ہی پر لپیٹے گا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتایا ہے کہ لوح محفوظ میں ہر ہر معاملہ طے کر کے لکھ دیا گیا ہے اور وہ اسی منصوبے کے مطابق ظاہر ہو گا۔یہی معاملہ دلوں کا ہے۔وہ لاریب خدا کی گرفت میں ہیں۔اس کے لیے تمام بنی آدم کے دلوں کا الٹ پھیر اس سے کہیں زیادہ سہل ہے، جتنا سہل انگلیوں میں آئی ہوئی کسی شے کو گھمانا کسی انسان کے لیے سہل ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ۔ (الانفال ۸:۲۴)

''جان رکھو، اللہ تعالیٰ آدمی اوراس کے دل کے درمیان حائل ہو جایا کرتے ہیں۔''

لیکن زمین وآسمان کے الٹ پھیر کی طرح اس نے دلوں کے الٹ پھیر کا بھی ایک قاعدہ مقرر کر رکھا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔ (الصّف ۶۱:۵)

''پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔''

سورۂ تغابن میں ہے:

وَ مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ۔ (۶۴:۱۱)

''اور جو اللہ تعالیٰ پر حقیقی ایمان رکھتا ہو تو وہ اس کے دل کو ہدایت پر جما دیتے ہیں۔''

یہود کے دلوں میں قساوت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً۔ (المائدہ ۵:۱۳)

''ان کے اپنا عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کر دی اوران کے دلوں کو سخت کر دیا۔''

اصحاب کہف کے دلوں کو ثبات عطا ہونے کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی:

وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَا لْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا

''ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا جبکہ وہ اٹھے اور کہا ہمارا رب وہی ہے جو آسمان اور زمین کا رب

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا۔ (الکہف ۱۸: ۱۴)

ہے۔ ہم اس کے سوا کسی معبود کو ہرگز نہیں پکاریں گے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم نے حق سے ہٹی ہوئی بات کہی۔''

یہ اور دوسرے متعدد مقامات پر قرآن مجید نے اس اصول کو مختلف اسالیب میں واضح کیا ہے کہ دل کی راستی اس کو عطا ہوتی ہے جو خود راستی اختیار کرنا چاہتا ہے اور دل کا ٹیڑھ اسی کا نصیب ہے جو اپنے ارادے سے اس ٹیڑھ کے درپے ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ نے راہ یاب کیا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دل کی درستی کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اہل ایمان کی یہ دعا بھی قرآن مجید میں نقل ہوئی ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَ هَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ۔ (۳: ۸)

''اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو ہدایت بخشنے کے بعد کج نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت بخش۔ تو نہایت بخشنے والا ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی نے الراسخ فی العلم ہونے کے باوجود اور ہدایت یاب ہونے کے باوصف اس دعا کی حکمت واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ راسخین فی العلم کی دعا ہے۔ جس سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں اتنے بے پروا نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ شکوک وشبہات کو بلاوے بھیج کر بلائیں۔ اور اپنے ایمان واسلام کو خطرے میں ڈالیں۔ بلکہ وہ اپنے ایمان کی سلامتی کے لیے برابر اپنے پروردگار سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ دین میں ان کے جمے ہوئے قدم اکھڑنے نہ پائیں اور جب فتنوں کی یورش ہو تو خدائے وہاب اپنے پاس سے ان کے لیے وہ روحانی کمک بھیجے جو ان کے لیے ثبات قدم کا ذریعہ بنے۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۳۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی ایک طرف خدا کی ہدایت کے ساتھ آپ کی گہری وابستگی کا مظہر ہے اور دوسری طرف ان فتنوں سے بچنے کا احساس بھی ہے جو انسان کو کسی وقت بھی اپنے شکنجے میں لے سکتے ہیں۔ خدا کے صالحین کا یہی رویہ ہے جس کا نتیجہ خدا کی روحانی مدد کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام خدا کے ایسے ہی بندے تھے۔ زلیخا کی گہری چال کی کامیابی کے عین موقع پر خدا کی برہان آئی اور انھیں برائی سے بچالیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَالۡفَحۡشَآءَ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ۔ (یوسف ۱۲: ۲۴)

''ہم نے ایسا ہی کیا تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں۔ بے شک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھا۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کتابیات

مسلم، کتاب القدر، رقم ۴۷۸۹۔ مسند احمد، رقم ۶۳۲۱، ۱۱۶۶۴، ۱۸۸۳۰، ۲۲۶۹۹، ترمذی، کتاب القدر، رقم ۲۰۶۶۔ کتاب الدعوات، رقم ۳۴۴۴۔ ابن ماجہ، المقدمہ، ۱۹۵۔ المستدرک علی الصحیحین، رقم ۳۱۴۰۔ السنن الکبریٰ، رقم ۷۷۳۷، ۷۷۳۸۔ مسند البزاز، رقم ۲۴۶۰۔ المعجم الاوسط، رقم ۱۵۳۰۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۲۲۲۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

قانون معاشرت

(۵)

(گزشتہ سے پیوستہ)

حقوق و فرائض

[۲]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا، وَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْھَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ، وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ (النساء۴: ۱۹)

''ایمان والو، تمھارے لیے جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ جو کچھ اُنھیں دیا ہے، اُس کا کچھ حصہ واپس لینے کے لیے اُنھیں تنگ کرو۔ ہاں، اُس صورت میں کہ وہ کسی کھلی ہوئی بدکاری کا ارتکاب کریں۔ اور اُن سے بھلے طریقے کا برتاؤ کرو، اِس لیے کہ تمھیں وہ پسند نہیں ہیں تو ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور اللہ اُسی میں تمھارے لیے بہت بڑی بہتری پیدا کر دے۔''

یہ عورتوں کے حقوق اور ان سے متعلق صحیح رویے کا بیان ہے۔

پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ عورتیں کوئی مال مواشی نہیں ہیں کہ جس کو میراث میں ملیں، وہ انھیں لے جا کر اپنے باڑے میں باندھ لے۔ ان کی حیثیت ایک آزاد ہستی کی ہے۔ وہ اپنی مرضی کی مالک ہیں اور حدود الٰہی کے اندر اپنے فیصلے کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہیں۔ اس ہدایت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عرب جاہلیت کے بعض طبقوں میں یہ رواج تھا کہ مرنے والے کی جائداد اور اس کے مال مواشی کی طرح اس کی بیویاں بھی وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتی تھیں اور وہ اگر اس کے بیٹے

بھی ہوتے تو بغیر کسی تردد کے ان کے ساتھ زن وشو کا تعلق قائم کر لیتے تھے۔ قرآن نے اس قبیح رسم کا خاتمہ کر دیا اور واضح فرمایا کہ عورتیں اپنے فیصلے کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہیں۔ ان کی مرضی کے بغیر کوئی چیز ان پر مسلط نہیں کی جاسکتی۔

دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ بیوی اگر ناپسند بھی ہو تو اس سے اپنا دیا دلایا واپس لینے کے لیے اس کو ضیق میں ڈالنے اور تنگ کرنے کی کوشش کسی بندۂ مومن کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس طرح کا رویہ صرف اس صورت میں گوارا کیا جاسکتا ہے جب وہ کھلی ہوئی بدکاری کرنے لگے۔ اس قسم کی کوئی چیز اگر اس سے صادر نہیں ہوئی ہے، وہ اپنی وفاداری پر قائم ہے اور پاک دامنی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے تو محض اس بنیاد پر کہ بیوی پسند نہیں ہے، اس کو تنگ کرنا عدل وانصاف اور فتوت وشرافت کے بالکل منافی ہے۔ اخلاقی فساد، بے شک قابل نفرت چیز ہے، لیکن محض صورت کے ناپسند ہونے یا کسی ذوقی عدم مناسبت کی بنا پر اسے شریفانہ معاشرت کے حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود ان کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرو جو شریفوں کے شایان شان ہو، عقل وفطرت کے مطابق ہو، رحم ومروت پر مبنی ہو، اس میں عدل وانصاف کے تقاضے ملحوظ رہے ہوں۔ اس کے لیے آیت میں 'وعاشروھن بالمعروف' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'معروف' کا لفظ قرآن مجید میں خیر وصلاح کے رویوں اور شرفا کی روایات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہ اسی مفہوم میں ہے۔ مدعا یہ ہے کہ بیوی پسند ہو یا ناپسند، بندۂ مومن سے اس کے پروردگار کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہر حال میں نیکی اور خیر کا رویہ اختیار کرے اور فتوت وشرافت کی جو روایت انسانی معاشروں میں ہمیشہ سے قائم رہی ہے، اس سے سر مو انحراف نہ کرے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود شوہر اگر اس سے اچھا برتاؤ کرتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی برکتوں کے بہت سے دروازے اسی کے ذریعے سے اس کے لیے کھول دیے جائیں۔

اس آخری بات کے لیے جو الفاظ آیت میں آئے ہیں، استاذ امام امین احسن اصلاحی نے ان کی وضاحت میں لکھا ہے:

> ''یہاں لفظ اگرچہ 'عسٰی' استعمال ہوا ہے جو عربی میں صرف اظہار امید اور اظہار توقع کے لیے آتا ہے، لیکن عربیت کے اداشناس جانتے ہیں کہ اس طرح کے مواقع میں، جیسا کہ یہاں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا وعدہ مضمر ہوتا ہے۔ اس اشارے کے پیچھے جو حقیقت جھلک رہی ہے، وہ یہی ہے کہ جو لوگ ظاہری شکل وصورت کے مقابل میں اعلیٰ اخلاقی اور انسانی اقدار کو اہمیت اور ان کی خاطر اپنے جذبات کی قربانی دیں گے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کثیر کا وعدہ ہے۔ جن لوگوں نے اس وعدے کے لیے بازیاں کھیلی ہیں، وہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ بات سو فی صدی حق ہے اور خدا کی بات سے زیادہ سچی بات کس کی ہوسکتی ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/۲۷۰)

اس سے واضح ہے کہ جب ناپسندیدگی کے باوجود اللہ تعالیٰ کا مطالبہ یہ ہے تو عام حالات میں بیوی کے ساتھ کوئی غلط رویہ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اللہ کی کس قدر ناراضی کا باعث ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا ہے:

استوصوا بالنساء خيراً ، فإنهن عندكم عوان ، ليس تملكون منهن شيئاً غير ذلك ، إلّا أن ياتين بفاحشة مبينة ، فإن فعلن فاهجروهن في المضاجع ، واضربوهن ضرباً غير مبرح، فإن اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلاً ، إن لكم من نسائكم حقاً ، و لنسائكم عليكم حقاً، فأما حقكم على نسائكم فلا يوطئن فرشكم من تكرهون ، ولا يأذن في بيوتكم لمن تكرهون ، ألا وحقهن عليكم أن تحسنوا عليهن في كسوتهن و طعامهن۔

(ابن ماجہ، رقم ۱۸۷۸)

''عورتوں کے لیے اچھے برتاؤ کی نصیحت قبول کرو، اس لیے کہ (حقوق زوجیت کے لیے) وہ تمھاری پابند ہیں۔ تم ان پر اس کے سوا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں اگر وہ کھلی ہوئی بدکاری کریں تو تم کو حق ہے کہ ان کے بستروں میں انھیں تنہا چھوڑ دو اور (اس پر بھی نہ مانیں تو) انھیں پیٹو، مگر اتنا جو کوئی نشان نہ چھوڑے۔ پھر اگر وہ اطاعت کریں تو ان پر الزام کی راہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک، عورتوں پر تمھارا حق ہے اور تم پر بھی ان کے حقوق ہیں۔ تمھارا حق تو یہ ہے کہ تمھارے ناپسندیدہ کسی شخص کو وہ نہ تمھارا بستر پامال کرنے دیں نہ تمھارے گھر میں آنے کی اجازت دیں۔ سنو! اور ان کا حق یہ ہے کہ (اپنی استطاعت کے مطابق) انھیں اچھے سے اچھا کھلاؤ اور اچھے سے اچھا پہناؤ۔''

(باقی)

''اس زمانے میں جو لوگ دعوت دین کے دعوے کے ساتھ اٹھتے ہیں وہ پیدا ہوتے ہی لوگوں سے ہجرت اور جہاد کی بیعت لینی شروع کر دیتے ہیں۔ غلبۂ اسلام کا موضوع ایک عوام پسند موضوع ہے، اس وجہ سے وہ پہلا ہی قدم آخری منزل کے لیے اٹھاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ لوگ غلبۂ اسلام کے لیے انتظار کرتے کرتے تھک گئے ہیں، اب ان کو مزید انتظار کی زحمت نہیں دینی چاہیے۔ ان بے خبر جلد بازوں کو کون بتائے کہ ان کی جلد بازی کی وجہ سے راہ کے عقبات اور مراحل طے نہیں ہو جائیں گے۔ ہوگا یہ کہ یہ اپنی بے علمی اور حماقت کی وجہ سے ان ناکامیوں کی فہرست میں ایک اور عبرت انگیز اضافہ کریں گے جو پہلے ہی سے کافی طویل ہے۔'' (تزکیۂ نفس، مولانا امین احسن اصلاحی ۲/۱۹۰)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد بلال

سیرت النبی ـــــ چند درخشاں پہلو

عالم کا پروردگار یہ چاہتا ہے کہ ہر انسان اس بستی کا مکین بنے جو اس نے ایک دن جنت کے نام سے آباد کرنی ہے، مگر اس کے لیے اس نے لازم قرار دیا ہے کہ انسان دنیا کی پر آزمایش زندگی میں سرخ رو ہو۔ قیامت کی میزانِ عدل میں اس کے ایمان اور عمل صالح کا پلڑا بھاری ہو۔

انسان کو راہِ حق پر قائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انفس و آفاق میں ایسی بے شمار نشانیاں رکھ دی ہیں جن پر وہ اگر غور کرے تو اسے اللہ کی ذات، صفات، حقوق، قیامت اور آخرت کے دلائل میسر آ سکتے ہیں۔ انبیاے کرام نے بھی ان نشانیوں کے اندر موجود ایسے دلائل کو بیان کیا اور انھیں مزید واضح کرنے کے لیے پیغام الٰہی عام کیا۔ اسی طرح رسولوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے قیامت کی ایک حسی دلیل بھی پیش کی ہے۔ اس کے لیے اس نے کسی بستی میں اپنا ایک رسول بھیجا۔ رسول نے اس قوم کو پوری سرگرمی اور دل سوزی کے ساتھ دعوت دین دی۔ حق کو ہر پہلو سے واضح کیا۔ قوم کے ہر سوال کا جواب دیا۔ ہر اعتراض کو رفع کیا۔ حتیٰ کہ اس کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم پر بھی صبر کیا۔ اور قوم کو باپ دادا سے ملنے والے باطل دین کو چھوڑنے کے لیے مسلسل دعوت دی۔ اس طرح قوم ایک آزمایش میں پڑ گئی۔ جو لوگ اس آزمایش میں سرخ رو ہوئے، انھیں اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں جزا دی۔ انھیں اس بستی میں غلبہ حاصل ہوا۔ اور رسول کا انکار کرنے والوں کو بالفاظ دیگر آزمایش میں ناکام رہ جانے والوں کو موت اور مغلوبیت کی سزا دی۔ یہ ایک نوع کی قیامت صغریٰ ہوتی تھی، جو دراصل قیامت کبریٰ کی ایک حسی دلیل اور ایک جھنجوڑنے والی تذکیر ہے۔ اس کے اندر بھی دراصل انسان ہی کی فلاح پوشیدہ ہے۔

رسول کے منکرین کو یہ سزا دو طریقوں سے ملتی تھی۔ اگر رسول کو سیاسی اقتدار حاصل نہ ہو تو قدرتی آفات کے ذریعے سے جیسے قوم عاد، قوم ثمود اور قوم نوح کو یہ سزا ملی اور اگر رسول کو کہیں سیاسی اقتدار حاصل ہو جائے تو پھر رسول کے ساتھیوں کی تلواروں کے ذریعے سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں سیاسی اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ کے منکرین کو صحابۂ کرام

رضی اللہ عنہم کی تلواروں کے ذریعے سے موت اور مغلوبیت کی سزا ملنی تھی۔ چنانچہ مدینہ میں اقتدار ملنے کے بعد یہ سزا دینے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین کے خلاف جنگیں بھی کیں۔ دین حق کے بڑے بڑے دشمنوں کو موت کی سزا بھی دی۔ عام اہل کتاب کو توحید پر قائم رہنے کی وجہ سے موت کی سزا تو نہیں ملی، البتہ سیاسی طور پر مسلمانوں کے ماتحت مغلوب ہو کر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اب ختم نبوت کے بعد قیامت صغریٰ برپا کرنے کا خدائی سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ اسی طرح اس ضمن میں کیا جانے والا جہاد و قتال بھی اب نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ظلم و عدوان کے خلاف خواہ اس کا شکار مسلمان ہوں یا غیر مسلم جہاد و قتال کیا جا سکتا ہے، مگر اس کے لیے ہم مسلمان اس وقت اس ایمانی اور حربی قوت کے حامل نہیں ہیں جو اس کے لیے درکار ہے۔ اب ہمارا کام صرف دعوت دین ہے۔ البتہ اگر کوئی قوم اس کام میں رکاوٹ بنے گی اور ہمارے پاس قوت ہو گی تو اس کے خلاف جہاد و قتال کیا جائے گا۔

منکرین حق کو موت کی سزا دینا، ایک خدائی معاملہ تھا جو حضور کے ساتھ خاص تھا، اس کا تعلق شریعت کے ساتھ نہیں تھا۔ اس میں عمل کے پہلو سے ہمارے لیے کوئی اسوہ نہیں ہے۔ یہ ہمارے لیے دراصل قیامت کی ایک حسی دلیل اور ایک جھنجوڑنے والی تذکیر ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا ایک پہلو ہے۔ اس پہلو سے بھی آپ اس وقت تک بڑی کریم النفسی کا مظاہرہ کرتے جب تک مخالفین اپنی دشمنی کے آخری حدود کو نہ چھو لیتے تھے۔ آپ کی شخصیت کا دوسرا پہلو معاملات سے متعلق ہے یعنی آپ انسانوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے کیا رویہ اختیار کرتے تھے۔ اس پہلو کو ہم تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس معاملے میں ہم مسلمان بہت کمزور واقع ہوئے ہیں۔ اس میں سب سے پہلے قرآن مجید کو لیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ وہ اس پہلو سے آپ کی شخصیت کے کس وصف کو نمایاں قرار دیتا ہے:

> ''تمھارے لیے رسول کی زندگی (کے اخلاق و اطوار) میں بہترین نمونہ ہے۔'' (الاحزاب ۳۳:۲۱)
>
> ''اور تم اعلیٰ کردار (بڑے پسندیدہ اخلاق) کے مالک ہو۔'' (القلم ۶۸:۴)

اب سیرت النبی کے واقعات کی طرف آئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل از نبوت کی زندگی دیکھیں۔ آپ جس قسم کے ماحول اور جس قسم کے لوگوں میں پیدا ہوئے، وہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر تلواریں بے نیام کر لینا اور برسوں انھیں بے نیام ہی رکھنا ایک معمول کی بات تھی۔ جنگ و جدال ایک معاشی ذریعہ بھی تھا، اس لیے کہ اس سے بہت سا مال غنیمت ہاتھ آتا تھا اور اس کو بڑے اعزاز کی بات سمجھا جاتا تھا۔ مگر آپ ایسی چیزوں سے سخت بےزار تھے۔ دس برس کی عمر سے جو پہلا کام شروع کیا وہ گلہ بانی تھا۔ جنگ فجار قریش اور قبیلۂ قیس کے درمیان ہوئی۔ اس میں قریش برسر حق تھے، اس لیے آپ اس میں شریک ہوئے، مگر اس میں بھی آپ نے کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ آپ بس اپنے چچا کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے۔ اس میں قریش غالب آئے۔ بالآخر صلح ہو گئی۔ لڑائیوں کے متواتر سلسلے نے کئی گھر برباد کر دیے تھے۔ اس پر بعض لوگوں نے اصلاح کی تحریک چلائی۔

فریقین میں معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدے میں شریک تھے۔ آپ عہد نبوت میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے کے بدلے میں اگر مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جاتے تو میں نہ لیتا۔ آج بھی کوئی مجھے ایسے معاہدے کے لیے بلائے تو میں حاضر ہوں۔...... بیت اللہ کی تعمیر نو کے وقت حجر اسود کو نصب کرنے کا مرحلہ آیا تو مختلف قبائل میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اس کے مقام پر نصب کرنے کا شرف اسے حاصل ہو۔ یہ صورت حال اس قدر سنگین ہوگئی کہ تلواریں بے نیام ہوگئیں۔ جنگ و جدال کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امن پسندی اور حکمت و دانائی کی بدولت حجر اسود کو ایک چادر میں رکھ کر سبھی قبائل کے سرداروں کو کہا کہ اس چادر کے کناروں کو پکڑیں اور خود اٹھا کر حجر اسود اس کے مقام پر نصب کر دیا۔ اس طرح سبھی قبائل کو راضی کر لیا تھا اور تلواریں نیام میں واپس داخل کرا دیں۔...... تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ تاجر کے محاسن اخلاق کو مجسم کر دکھایا۔ دیانت داری اور ایفاے عہد کی مثالیں قائم کیں۔ حسن معاملہ کی ایسی شہرت ملی کہ لوگ خوشی سے آپ کے کاروبار میں سرمایہ کاری کرتے تھے۔ آپ کا ہر شریک تجارت آپ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتا تھا۔ حضرت خدیجہ کا غیر معمولی کاروبار تھا۔ آپ نہایت پاکیزہ اخلاق کی حامل تھیں۔ لوگ طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راست بازی اور صدق و دیانت کی شہرت اس قدر عام ہو چکی تھی کہ زبان خلق نے آپ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ حضرت خدیجہ دو خاوندوں سے بیوہ تھیں۔ کئی سردار نکاح کی درخواست کر چکے تھے، مگر آپ انکار کر چکی تھیں۔ حضور کے ساتھ کاروباری معاملہ کیا اور اس کے تین ماہ بعد ہی آپ کو نکاح کا پیغام دے دیا۔...... آپ کے خاص احباب کی وجہ شہرت بھی جنگی مہارت نہیں، اعلیٰ اخلاق تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو تو اس معاملے میں خاص شہرت حاصل ہے۔

حالی آپ کی قبل از نبوت زندگی کا مطالعہ کر کے جس نتیجے پر پہنچے، اس میں بھی آپ کی محبت، شفقت اور امن پسندی نمایاں ہیں:

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیروزبر کرنے والا
قبائل کو شیروشکر کرنے والا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ جو قسم کے لوگوں میں نہیں اٹھا بیٹھا کرتے تھے۔ ہر وقت تلوار زنی، تیر اندازی اور گھڑ سواری کی مشق نہیں فرمایا کرتے تھے۔ مکہ سے تین میل دور اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر غار حرا تھی جہاں آپ قیام کیا کرتے تھے۔ وہاں آپ کی مصروفیت کیا تھی؟ غور و فکر اور عبرت پزیری۔ اسی مقام سے وحی الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا۔ دل نور نبوت سے منور ہوا۔ مکہ سے دعوت حق کا آغاز کیا۔ چند لوگوں نے لبیک کہا۔ اکثر و بیشتر نے انکار کیا۔ اور نہ صرف انکار کیا، بلکہ آپ اور آپ کے اصحاب

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پر سخت تشدد کیا۔ مخالفین ٹھیک دوپہر کے وقت غریب مسلمانوں کو تپتی ریت پر لٹا دیتے۔ چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ گلے میں رسی ڈال کر گلیوں میں گھسیٹتے۔ انگاروں کے بستر پر لٹا دیتے۔ بعض کو تو جان سے مار ڈالتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے۔ اوپر سے غلاظت پھینک دیتے۔ نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے۔ سجدے میں گردن پر جانور کی اوجھڑی ڈال دیتے۔ شریر لڑکوں کے غول پیچھے چلتے۔ جادوگر اور مجنون کہا جاتا۔ قاتلانہ حملے کیے جاتے۔ دعوت حق کا یہ کام اور مخالفین حق کے مظالم کا یہ سلسلہ تیرہ سال تک جاری رہا۔ اور پھر بیت اللہ کو بت کدہ بنا دیا گیا تھا۔ آپ کے اصحاب آپ کے اشارۂ ابرو پر جان لینے اور جان دینے کے لیے تیار تھے، مگر آپ نے کیا کیا؟ آپ نے صبر کیا اور اپنے مظلوم اصحاب کو بھی صبر کرنے کی ہدایت فرمائی۔ مکہ میں آپ اور آپ کے اصحاب کے لیے آزادی سے دین پر عمل کرنا ممکن نہ تھا۔ مخالفین کے مظالم کا بادل پیہم برس رہا تھا۔ اس کے کھلنے کا کوئی امکان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ وجدال کے بجائے ایک حکیمانہ تدبیر کی۔ کچھ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ہجرت حبشہ ہوئی۔ یوں حبشہ میں بھی اسلام کی شعاعیں پھیلنے لگیں۔ ادھر مکہ میں مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ شدید تر ہو گیا۔ مسلمانوں کو شعب ابوطالب میں محصور کر دیا گیا۔ معاشرتی بائیکاٹ کر دیا گیا۔ آب ودانہ بند ہو گیا۔ صحابہ کو پتیاں اور چمڑا کھا کر گزارا کرنا پڑا۔ بعض فاقہ کشی سے وفات پا گئے۔ مظالم کی شدت اس قدر بڑھ گئی کہ اسلام کا مستقبل مشکوک دکھائی دینے لگا۔ حضرت خباب بولے: یارسول اللہ، اب تو پانی سر سے گزر رہا ہے، ہمارے لیے دعا کیجیے۔ آپ نے ایسے نازک موقع پر تصادم کے بجائے دوسری بات کی۔ فرمایا: پہلی امتوں میں تو یہ ہوا کہ مومن کو گڑھا کھود کر گاڑ دیا گیا۔ سر پر آرا چلا دیا گیا کہ بدن کے دو ٹکڑے ہو کر گر گئے۔ لوہے کی کنگھیوں سے گوشت ہڈیوں سے جدا کر دیا گیا، مگر اس کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ اس طرح آپ نے یہ سبق دیا کہ جب تک سیاسی اقتدار نہ ہو اور جب تک سیاسی اقتدار ہونے کے باوجود مناسب حربی قوت نہ ہو، اس وقت تک مسلمان کا مظلومانہ مر جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ورنہ تصادم کی صورت میں زیادہ نقصان ہو گا۔...... بہر حال آپ پھر بھی مایوس نہیں ہوئے۔ دعوت دین کا دائرہ وسیع کر لیا۔ طائف گئے۔ مگر اہل طائف بھی دشمن حق ثابت ہوئے۔ وہ آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ اس پر بھی آپ کا رد عمل کیا تھا؟ صبر۔...... مکہ میں آفتابِ حق اسی طرح چمکتا رہا، مگر باطل کے گہرے سیاہ بادل اس کی روشنی کے پھیلاؤ میں حائل رہے۔ بالآخر اس کی کرنیں مدینہ کے صاف افق پر پڑیں۔ مدینہ روشن ہو گیا۔ اہل مدینہ اسلام سے متاثر ہوئے۔ ہجرت مدینہ کا مرحلہ آیا۔...... سیاسی اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد بھی آپ نے اپنے منکرین کو موت اور اہل کتاب کو سیاسی طور پر مغلوبیت کی سزا دینی تھی، مگر اس سے پہلے اہل کتاب کو حکمت ودانائی کے ذریعے سے قلبی طور پر مغلوب کرنے کی کوشش کی۔

ہجرت کے پہلے سال آپ نے مدینہ کے اطراف میں آباد یہود کے ساتھ امن معاہدہ کر لیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔

www.javedahmadghamidi.com

۲۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۴۔ یہود یا مسلمان کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۵۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

۶۔ مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق مل کر دفاع کریں گے۔

۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا، لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

اور پھر دیکھیے منکرین کے گڑھ مکہ کو ایسی حکمت و دانائی کے ساتھ فتح کیا کہ جنگ و جدال کی نوبت ہی نہ آئی۔

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں اور قریش کے مابین یہ بھی طے ہوا تھا کہ جو کوئی بھی فریقین کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ لہٰذا بنوخزاعہ مسلمانوں کے معاہدے میں شامل ہو گئے اور بنوبکر قریش کے معاہدے میں۔ یوں ایک دوسرے کے دشمن یہ قبائل ایک دوسرے سے مامون اور بے خطر ہو گئے۔ مگر بنوبکر نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور بنوخزاعہ سے پرانا بدلہ چکانا چاہا۔ انھوں نے رات کی تاریکی میں بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے بھی معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنوبکر کی مدد کی اور رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آدمی بھی اس حملے میں شامل کر دیے۔ بنوخزاعہ کے متعدد افراد مارے گئے۔ بچنے والوں میں عمرو بن سالم خزاعی اپنی جان بچا کر حضور کے پاس مدینہ پہنچے اور صورت حال سے آگاہ کیا اور مدد کی درخواست کی۔ اور بتایا کہ قریش نے کس طرح بنوبکر کا ساتھ دیا۔ بلاشبہ قریش نے بے جواز کھلی ہوئی بدعہدی کی۔ قریش کو جلد ہی اپنی عہد شکنی کا احساس ہو گیا۔

www.javedahmadghamidi.com

قریش کے سردار ابوسفیان مدینہ میں تجدید صلح کے لیے آئے۔ مگر حضور نے یہ تجدید نہ کی۔ ابوسفیان کے مکہ واپس جانے کے بعد حضور نے ایک خاص تدبیر اختیار کی۔ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ راز داری سے مکہ کا رخ کیا۔ رات کے ابتدائی اوقات میں مرالظہران (وادی فاطمہ) پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ لوگوں کو حکم دیا کہ بکھر کر بیٹھیں اور الگ الگ آگ جلائیں۔ یوں دس ہزار چولھوں میں آگ جلائی گئی۔ حضرت عمر کو پہرے دار مقرر کیا گیا۔ ابوسفیان نے یہ صورت حال دیکھی تو کہا: خدا کی قسم، میں نے ایسی آگ اور ایسا لشکر کبھی دیکھا ہی نہیں۔

ابوسفیان پر جب یہ واضح ہو گیا کہ یہ رسول اللہ ہیں اور یہ کہ اب قریش کی تباہی ہے تو حضرت عباس کے ساتھ امان طلب کرنے کے لیے حضور کے پاس گئے۔ جب وہ حضرت عمر کے الاؤ کے قریب سے گزرے تو وہ کہنے لگے: ابوسفیان؟ خدا کا دشمن؟ حضرت عمر نے ابوسفیان کو قتل کرنا چاہا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہ دی۔ آپ نے فرمایا: ابوسفیان تم پر افسوس! کیا اب بھی تمھارے لیے وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں؟ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا، آپ کتنے بردبار اور کتنے رحم کرنے والے ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ

ہوتا تو اب تک میرے کچھ کام آیا ہوتا۔ آپ نے فرمایا: ابوسفیان تم پر افسوس! کیا تمھارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ آپ کس قدر حلیم، کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں، مگر اس بات کے متعلق تو اب بھی دل میں کچھ کھٹک ہے۔ اس پر حضرت عباس نے کہا: گردن مارے جانے کی نوبت آنے سے پہلے پہلے اسلام قبول کر لو اور یہ اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ ظاہر ہے کہ متزلزل ایمان کا اظہار تھا، مگر حضور نے ابوسفیان کو پھر بھی معاف کر دیا حتیٰ کہ حضرت عباس نے کہا: اے اللہ کے رسول، ابوسفیان اعزاز پسند ہیں، اسے کوئی اعزاز دے دیجیے۔ آپ نے فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے، جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اسے امان ہے۔

اسی صبح حضور مرالظہران سے مکہ روانہ ہوئے اور حضرت عباس کو ہدایت کی کہ ابوسفیان کو وادی کی تنگنائے پر پہاڑ کے ناکے کے پاس روک رکھیں تاکہ وہاں سے گزرنے والی خدائی فوجوں کو ابوسفیان دیکھ سکے۔ مقصد یہ تھا کہ قریش کا یہ سردار نفسیاتی طور پر مسلمانوں سے اتنا مرعوب ہو جائے کہ اپنی قوم کو لڑنے سے باز رکھنے پر مجبور ہو جائے اور مسئلہ خون بہائے بغیر حل ہو جائے۔ لہٰذا جب حضور اپنے سبز دستے کے جلو میں وہاں سے گزرے تو آپ مہاجرین وانصار کے درمیان فروکش تھے۔ ابوسفیان نے کہا: سبحان اللہ! اے عباس، یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ انصار و مہاجرین کے جلو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: بھلا ان سے محاذ آرائی کی کون طاقت رکھتا ہے؟ اس کے بعد اس نے مزید کہا: تمھارے بھتیجے کی بادشاہی تو واللہ بڑی زبردست ہو گئی۔ حضرت عباس نے کہا: ابوسفیان یہ نبوت ہے۔ ابوسفیان نے کہا: ہاں اب تو یہی کہا جائے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس موقع پر ایک واقعہ اور پیش آیا۔ انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ وہ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو بولے: آج خوں ریزی اور مار دھاڑ کا دن ہے۔ آج حرمت حلال کر لی جائے گی۔ آج اللہ نے قریش کی ذلت مقدر کر دی ہے۔ اس کے بعد جب وہاں سے حضور گزرے تو ابوسفیان نے آپ کو حضرت سعد کی بات بتائی۔ اس پر حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا: یا رسول اللہ، ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں سعد قریش کے اندر مار دھاڑ نہ کریں۔ رسول اللہ نے فرمایا: نہیں، آج کا دن تو وہ دن ہے جس میں کعبہ کی تعظیم کی جائے گی۔ آج کا دن تو وہ دن ہے جس میں اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت سعد کے پاس آدمی بھیجا کہ جھنڈا ان سے لے لیا جائے اور ان کے صاحب زادے قیس کے حوالے کر دیا۔ گویا جھنڈا حضرت سعد کے ہاتھ سے نہیں نکلا، کہا جاتا ہے کہ پھر آپ نے جھنڈا حضرت زبیر کے حوالے کر دیا تھا۔

جب رسول اللہ ابوسفیان کے پاس سے گزر چکے تو حضرت عباس نے اس سے کہا: اب دوڑ کر اپنی قوم کے پاس جاؤ۔

ابوسفیان تیزی سے مکہ پہنچے اور پکارا: قریش کے لوگو، یہ محمد ہیں۔ تمھارے پاس اتنا لشکر لے کر آئے ہیں کہ مقابلے کی تاب نہیں؟ لہٰذا جو ابوسفیان کے گھر گھس جائے اسے امان ہے۔ اور جو اپنا دروازہ بند کر لے، اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔ یہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔ اس دوران میں اللہ کے بخشے ہوئے اعزازِ فتح پر انکساری سے آپ نے اپنا سر جھکا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے جا لگ رہے تھے۔

یوں مکہ فتح ہو گیا۔ قریش کے کچھ اوباش مسلمانوں سے لڑے، مگر مارے گئے۔ آپ نے مسجد حرام میں داخل ہو کر حجر اسود کو چوما۔ بیت اللہ میں نماز پڑھی۔ قریش منتظر تھے کہ آپ اب کیا کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا: ''قریش کے لوگو، تمھارا کیا خیال ہے، میں تمھارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟ انھوں نے کہا: آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحب زادے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

فتح کے روز ہی حضور ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں غسل فرمایا اور ان کے گھر میں آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ ام ہانی نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دے رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا: اے ام ہانی، جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی۔ اس ارشاد کی وجہ یہ تھی کہ ام ہانی کے بھائی حضرت علی بن ابی طالب ان دونوں کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے ام ہانی نے ان دونوں کو چھپا کر گھر کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔

البتہ اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں کو (اس مضمون کے آغاز میں بیان کیے گئے) خاص قانون الٰہی کی رو سے موت کی سزا دی گئی اور بعض کو معاف کر دیا گیا۔

جب فتح مکہ کی تکمیل ہو گئی اور قریش پر حق واضح ہو گیا تو لوگوں نے حضور کی بیعت کرنی شروع کی۔ اس موقع پر بھی حضور کی نرم دلی دیکھیے۔ بیعت کے لیے ابوسفیان کی بیوی ہند بھیس بدل کر آئی۔ دراصل حضرت حمزہ کی لاش کے ساتھ اس نے جو حرکت کی تھی اس کی وجہ سے وہ خوف زدہ تھی کہ کہیں رسول اللہ اسے پہچان نہ لیں۔ ادھر حضور نے بیعت لیتے ہوئے فرمایا: میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ چوری نہ کرو گی۔ اس پر ہند بول اٹھی: ابوسفیان بخیل آدمی ہے۔ اگر میں اس کے مال سے کچھ لے لوں تو؟ وہیں موجود ابوسفیان نے کہا: تم جو کچھ لے لو وہ تمھارے لیے حلال ہے۔ رسول اللہ مسکرانے لگے۔ آپ نے ہند کو پہچان لیا۔ فرمایا: اچھا...... تو تم ہو ہند۔ وہ بولی: ہاں، اے اللہ کے نبی، جو کچھ ہو چکا ہو، اسے معاف فرما دیجیے۔ اللہ آپ کو معاف فرمائے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اور زنا نہ کرو گی۔ اس پر ہند نے کہا: بھلا کہیں حرہ (آزاد عورت) بھی زنا کرتی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی۔ ہند نے کہا: ہم نے تو بچپن میں انھیں پالا پوسا، لیکن بڑے ہونے پر آپ لوگوں نے بدر میں انھیں قتل کر دیا۔ اس لیے آپ اور وہ ہی بہتر جانیں۔ اس پر بھی حضور تبسم فرماتے رہے۔ یہاں یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ فتح کے موقع پر بھی آپ نے اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے رہنے والوں کو جو مغلوب اور مفتوح

ہو چکے تھے، معاف کر دیا۔ ہند نے حضور کے عزیز چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ اس وقت حضور کی بیعت کرتے ہوئے بھی گستاخانہ لب ولہجہ اختیار کیا۔ اس کے باوجود ''فاتح'' نے انھیں معاف کر دیا۔ کوئی انتقامی کارروائی نہ کی۔ اسی طرح آپ کو اس وقت بے بس کھڑے بہت سے ایسے مفتوح بھی دکھائی دے رہے ہوں گے جن کی جلادانہ سفاکیوں نے مسلمانوں کی رگ حیات کے لیے نوک خنجر کا کام کیا۔ جن کی تیز آندھیاں مدنی ریاست کے پودے کو جڑ سے اکھیڑنے کے لیے چلیں، مگر ان کے محض اظہار اسلام ہی سے ''فاتح'' نے انھیں ہر طرح کی امان دے دی۔ اور پھر جنگ حنین کے مال غنیمت میں سے اپنے ساتھیوں کی نسبت زیادہ حصہ مکہ کے نومسلموں کو دیا کہ ان کی تالیف قلب ہو۔

مدینہ میں جب مسجد نبوی کی تعمیر کا مرحلہ آیا تھا تو عام لوگوں کے ساتھ مل کر تعمیر میں حصہ لیا۔ حکمران اور رعایا نے اکٹھے پتھر اٹھائے۔ یوں دنیا میں مساوات کی یہ عجیب مثال قائم فرمائی۔...... اپنی ازواج کے لیے کچی اینٹوں کے اتنے چھوٹے مکان بنائے کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت چھو لیتا۔ مکان کی لمبائی دس ہاتھ اور چوڑائی چھ سات ہاتھ تھی۔ حد یہ تھی کہ فتح مکہ کے بعد بھی آپ کھری چارپائی پر لیٹتے اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ جاتے۔ ایسا رہن سہن دیکھ کر حضرت عمر جیسے صحابی رو دیے۔ گھر میں حالات کی ایسی تنگی تھی کہ آئے دن فاقے ہوتے، جس پر ازواج مطہرات اپنی بشریت کے باعث شکوہ بھی کرتیں۔ یوں پوری دنیا میں ''درویش حکمران'' کی مثال قائم فرمائی...... جن امور میں وحی نہ آتی، اصحاب کو بلا کر مشورہ کرتے۔ صحابہ کو مشاورت کی ہدایت کرتے اور فرماتے کہ کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔ سیدہ عائشہ کا قول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ سے زیادہ کسی کو مشورہ کرنے والا نہیں پایا۔ اس طرح دنیا کے حکمرانوں کو مشاورت اور جمہوریت کا راستہ دکھایا۔...... تعلیم وتعلم کا معاملہ دیکھیے۔ اپنے گھر کے سامنے اور مسجد نبوی کے کنارے پر ایک چبوترہ بنا دیا جس پر سائبان بھی تھا۔ یہ چبوترہ صفہ کہلاتا تھا جو دن کو مدرسہ ہوتا اور رات کو دارالاقامہ (Boarding-house)۔ یہاں ابتدائی تعلیم کے لیے معلم بھی تھے۔ دینی تعلیم حضور دیتے۔ اہل صفہ کے بیوی بچے نہ تھے، وہ یہیں رہتے تھے۔ ان میں سے ایک ٹولی جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لیے کھانا مہیا کرتی۔ اہل صفہ بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے۔ دین کی تعلیم پاتے اور عبادت کرتے رہتے۔ حضرت ابو ہریرہ انھی لوگوں میں سے تھے۔ ان میں سے جس کا نکاح ہو جاتا، وہ اس حلقے سے نکل جاتا تھا۔ حضور کے پاس جو دعوت کا کھانا آتا، آپ اہل صفہ کو پاس بلا لیتے اور ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ دعوت اسلام کے لیے یہ لوگ بھیجے جاتے۔ غزوۂ معونہ میں انھی میں سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لیے بھیجے گئے تھے جنھیں دھوکے سے شہید کر دیا گیا تھا۔ جنگ بدر کے وہ قیدی جو فدیہ ادا نہ کر سکے، انھیں اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر وہ لوگوں کو لکھنا سکھا دیں۔ حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لیں کہ یہود کبھی دھوکا نہ دے سکیں۔...... مدینہ میں یہود اور منافقین مختلف بہانوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ستاتے تھے۔ بعض اوقات مسلمان جذباتی ہو جاتے، تصادم کی راہ اختیار کرنے لگتے، مگر آپ حکمران ہونے کے باوجود صبر وضبط سے کام لیتے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرماتے۔ ایک دفعہ منافق عبداللہ بن ابی نے

آپ کی تحقیر بھی کی۔صحابہ اس تحقیر پر برہم ہوئے۔قریب تھا کہ کشت وخون ہو،حضور نے معاملے کو ٹھنڈا کر دیا۔......آپ نے اپنے اصحاب کو جو دوسرے پہلو سے آپ کی رعایا بھی تھے،اظہار رائے کی غیر معمولی آزادی دے رکھی تھی۔جنگ بدر کے ضمن میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔حضرت حباب بن منذر نے عرض کیا کہ جو مقام منتخب کیا گیا ہے، یہ وحی الٰہی ہے یا آپ کی فوجی تدبیر؟ ارشاد ہوا کہ وحی نہیں ہے۔حضرت حباب نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ آگے پڑاؤ ڈالا جائے۔آگے پانی کے چشمے پر قبضہ کر لیا جائے۔اس کے پاس کے چشمے بے کار کر دیے جائیں تاکہ ہمیں پانی میسر رہے اور قریش اس سے محروم رہیں۔حضور ایک پیغمبر اور حکمران بھی تھے،مگر حضرت حباب کی تجویز کو دلیل کے اعتبار سے بہتر پایا اور اس پر عمل کیا ــــــ کیا آج ہماری مذہبی دنیا حیات نبوی کے اس پہلو کو جانتی ہے؟ اگر جانتی ہے تو اس پر عمل کرنا پسند کرتی ہے؟ ــــــ صلح حدیبیہ کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ کافروں اور مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔صلح کے بعد نومسلم حضرت ابوجندل اور حضرت ابوبصیر مکہ سے بھاگ آئے۔کفار ان پر بہت ظلم کرتے تھے،مگر حضور نے صبر وضبط اور عہد کی پاس داری کا مظاہرہ کیا اور ان افراد کو مکہ واپس جانے کی ہدایت کی۔

آپ ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے۔بچوں سے بھی ملاقات ہوتی تو سلام میں پہل کرتے۔مجلس میں کوئی آتا تو جگہ ہونے کے باوجود ایک طرف کو سرک جاتے۔آپ کی مجلس میں بیٹھنے والا ہر شخص یہ خیال کرتا کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم میں ہی ہوں۔عورتوں کے نازک طبع اور ضعیف القلب ہونے کی وجہ سے ان کا خاص خیال رکھتے۔ایک دفعہ ایک سفر میں ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔انجشہ نامی ایک حبشی غلام حدی خواں تھے۔ایک مقام پر اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے۔آپ نے عورتوں کے حوالے سے فرمایا: انجشہ دیکھنا، یہ آبگینے ٹوٹنے نہ پائیں......ایک دفعہ آپ سیدہ عائشہ کے گھر میں منہ ڈھانک کر لیٹے ہوئے تھے۔عید کا دن تھا۔سیدہ عائشہ کے پاس بیٹھی بچیاں کچھ گا بجا رہی تھیں۔حضرت ابوبکر صدیق آئے تو سخت برہم ہوئے۔آپ نے فرمایا: ان کو گانے دو۔ان کی عید کا دن ہے۔......سیدہ عائشہ اپنی کم عمری کے باعث لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔آپ تشریف لاتے تو یہ لڑکیاں بھاگ جاتیں۔آپ ان کو بلا کر سیدہ عائشہ کے پاس بھیج دیتے۔......حضرت ابوبکر کی ایک صاحب زادی اسما رضی اللہ عنہا گھوڑے کے لیے دور سے گھاس وغیرہ سر پر لاد کر لا رہی تھیں۔آپ نے انھیں دیکھا۔آپ اونٹ پر سوار تھے۔ان کے قریب اونٹ کو بٹھا دیا کہ وہ سوار ہو لیں۔سیدہ اسما شرمائیں۔آپ نے دیکھا کہ وہ شرم وحیا کی وجہ سے نہیں بیٹھ رہیں تو کچھ نہیں فرمایا اور آگے بڑھ گئے۔معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر کو اس مسئلے کی جانب متوجہ کیا، کیونکہ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے حضرت اسما کے پاس گھوڑے کی خدمت کے لیے ایک خادم بھیج دیا۔...... شادی کے بعد سیدہ فاطمہ کے گھر تشریف لے جاتے تو دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگتے، پھر اندر تشریف لاتے۔...... سیدہ خدیجہ کی وفات کے بعد جب کبھی گھر میں جانور ذبح ہوتا تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سیدہ خدیجہ کی ہم نشیں عورتوں

کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔ سیدہ عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو نہیں دیکھا تھا، لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی کے اوپر نہیں آتا تھا۔ ...... ایک بار سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ نے سیدہ صفیہ سے کہا: تم یہودی کی بیٹی[1] ہو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں۔ ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچازاد بہن بھی۔ سیدہ صفیہ رنجیدہ خاطر ہوگئیں۔ حضور سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کس طرح معزز ہوسکتی ہو۔ میرے شوہر محمد، میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ ہیں۔ ...... ایک سفر میں ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ سیدہ صفیہ کا اونٹ بیمار ہوگیا۔ سیدہ زینب کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے۔ آپ نے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ کو دے دو۔ انھوں نے کہا: میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آپ اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے ان کے پاس نہ گئے۔ ...... ایک دفعہ سیدہ عائشہ ناراضی میں آپ کے ساتھ بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر آ گئے۔ بیٹی کو تھپڑ مارنا چاہا۔ آپ بیچ میں آ گئے۔ حضرت ابوبکر غصے میں باہر چلے گئے۔ آپ نے سیدہ عائشہ سے کہا: کیوں، تم کو کیسا بچالیا۔ ...... ایک دفعہ آپ نے سیدہ عائشہ سے کہا: آؤ تیز قدمی میں مقابلہ کریں۔ سیدہ عائشہ اس وقت دبلی پتلی تھیں، آگے نکل گئیں۔ پھر جب سیدہ عائشہ کی عمر بڑھی تو وزن بھی بڑھ گیا۔ آپ نے فرمایا: ایک مرتبہ پھر و لیسا ہی مقابلہ ہو جائے۔ اس دفعہ سیدہ عائشہ پیچھے رہ گئیں۔ آپ نے فرمایا: یہ اس دن کا جواب ہے۔ ...... ایک صحابی نے اپنے دور جاہلیت کا واقعہ سنایا کہ جب عرب میں لڑکیوں کو مار ڈالنے کا دستور تھا، میں نے اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑا تو وہ ابا ابا کہہ کر پکار رہی تھی۔ اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا۔ آپ نے یہ واقعہ سنا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حضرت عباس بدر میں گرفتار ہوگئے، ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ دیے گئے تھے۔ وہ درد سے کراہ رہے تھے۔ لیکن آپ نے یہ سوچ کر ان کے ہاتھ کھولنے کا حکم نہ دیا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اپنے رشتے دار کے ساتھ غیر مساویانہ ہمدردی ہے۔ مگر ان کے کراہنے کی آواز سے آپ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ بے چین ہو کر کروٹیں بدل رہے تھے۔ لوگوں نے وجہ سمجھ کر خود ہی گرہیں ڈھیلی کر دیں۔ حضرت عباس کا کرب ختم ہوا تو آپ کی بے چینی بھی رفع ہوگئی۔ ...... حضرت مصعب بن عمیر اسلام لانے سے قبل بہت قیمتی لباس پہنتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد والدین کی محبت عداوت میں بدل گئی۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر کا لباس دیکھا کہ پیوند سے ایک کپڑا ابھی سالم نہ تھا تو آب دیدہ ہوگئے۔

---

[1] سیدہ صفیہ بنونضیر کے رئیس حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ آپ کا اصل نام زینب تھا۔ عرب میں مال غنیمت کا جو بہترین حصہ بادشاہ کے لیے خاص ہوتا تھا، اسے صفی کہا جاتا تھا۔ اس لیے آپ صفیہ ہی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ آپ جنگ خیبر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد گرفتار ہوئیں۔ ایک صحابی نے حضور سے عرض کیا کہ یہ رئیس کی بیٹی ہیں، ان کے لیے آپ ہی موزوں ہیں۔ چنانچہ حضور نے آپ کے ساتھ نکاح کر کے انھیں اپنی ازواج میں شامل کرلیا۔

خوش طبعی اور لطیف مزاجی بھی حسن خلق کا ایک پہلو ہے۔ ایک بڑھیا سے کہا: بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ بڑھیا رونے لگی۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا: بوڑھی عورتیں جنت میں جوان ہو کر داخل ہوں گی۔ وہ بوڑھی نہیں رہیں گی۔ ایک شخص نے عرض کیا: کوئی سواری عنایت ہو۔ ارشاد ہوا: میں تم کو اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ وہ شخص بولا: میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ فرمایا: کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔

حیوانات کے معاملے میں بھی رحم کا یہ عالم تھا کہ اونٹ کے گلے میں کلادہ لٹکانے سے روک دیا۔ جانوروں کو باہم لڑانا ناجائز قرار دیا۔ ایک دستور یہ تھا کہ جانور کو باندھ کر تیر اندازی کی مشق کی جاتی۔ آپ نے سختی سے اس کی ممانعت فرمائی۔ ایک گدھے کے چہرے کو داغ دار دیکھا تو فرمایا: جس نے اس کا چہرہ داغ دار کیا اس پر خدا کی لعنت ہے۔ ایک سفر میں ایک مقام پر ٹھہرے۔ وہاں ایک پرندے نے انڈا دیا ہوا تھا۔ ایک شخص نے اس کا انڈا اٹھا لیا۔ چڑیا بے قرار ہو کر پر مارنے لگی۔ آپ نے دریافت فرمایا: اس کا انڈا چھین کر کس نے اس کو اذیت دی۔ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوئی۔ فرمایا: اسے وہیں رکھ دو۔ آپ کسی جانور کے ساتھ زیادتی ہوتی دیکھتے تو لوگوں سے کہتے کہ ان بے زبانوں کے متعلق خدا سے ڈرو۔

یہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی درخشاں سیرت کے چند ایسے واقعات بیان کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ انسانوں کے ساتھ کیسے معاملہ کرتے تھے۔ کاش! ہمارے اندر بھی صبر وضبط، محبت وشفقت، حکمت ودانائی، عدل وانصاف، جود وسخا، ایثار ووفا، سادگی وبے تکلفی، تواضع وخاکساری، اعتدال ومیانہ روی، حلم وبردباری، عہد کی پاس داری، مہمان نوازی، وسیع القلبی، رقیق القلبی اور غیر مسلموں، عورتوں، بچوں، ہم سائیوں، یتیموں، بیماروں، حاجت مندوں، قرابت مندوں حتیٰ کہ جانوروں کے ساتھ محبت وشفقت سے پیش آنے جیسے اوصاف پیدا ہو جائیں تو ہم بڑے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ غیر مسلم ہم سے ڈرنے کی بجائے ہم سے محبت کرنے لگیں، ہم سے دور بھاگنے والے ہماری طرف لپکنے لگیں، اور ہمارے بہت سے دشمن ہمارے دوست بن جائیں، بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ مسلمان بن جائیں۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد عمار خان ناصر

علمِ حدیث میں درایتی نقد کا تصور

(۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اکابر اہل علم کی آرا میں نقد درایت کی مثالیں

محدثین نے جہاں روایت کی سند کی تحقیق کے سلسلے میں گراں قدر اصول وضع کیے ہیں، وہاں روایت کے متن کی تنقید کے سلسلے میں درایت کی اہمیت بھی تسلیم کی ہے۔ محدث عمر بن بدر الموصلی لکھتے ہیں:

لم یقف العلماء عند نقد الحدیث من حیث سندہ بل تعدوا الی النظر فی متنہ فقضوا علی کثیر من لاحادیث بالوضع وان کان سندا سالما اذا وجدوا فی متونہا عللا تقضی بعدم قبولہا۔ (تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار ۱۷۹)

''علما نے نقد حدیث کے معاملے میں صرف سند پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس دائرے میں متن کو بھی شامل کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے بہت سی ایسی حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے جن کی سندیں اگرچہ درست ہیں، لیکن ان کے متن میں ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں جو ان کو قبول کرنے سے مانع ہیں۔''

اس مقصد کے لیے جو چیزیں کسوٹی کا کام دے سکتی ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے جلیل القدر محدث خطیب بغدادی اپنی کتاب ''الفقیہ والمتفقہ'' میں لکھتے ہیں:

واذا روی الثقۃ المامون خبرا متصل الاسناد رد بامور: احدہا ان یخالف موجبات العقول فیعلم بطلانہ لان الشرع انما یرد بمجوزات العقول واما

''جب کوئی ثقہ اور مامون راوی ایسی روایت بیان کرے جس کی سند بھی متصل ہو تو اس کو ان امور کے پیش نظر رد کر دیا جائے گا: ایک یہ کہ وہ تقاضاے عقل کے خلاف ہو۔ اس سے اس کا باطل ہونا معلوم ہوگا،

بخلاف العقول فلا۔ والثانی ان یخالف نص الکتاب او السنة المتواترة فیعلم انه لا اصل له او منسوخ۔ والثالث ان یخالف الاجماع فیستدل علی انه منسوخ اولا اصل له لانه لا یجوز ان یکون صحیحا غیر منسوخ وتجمع الامة علی خلافه۔ ...... والرابع ان ینفرد الواحد بروایة ما یجب علی کافة الخلق علمه فیدل ذلك علی انه لا اصل له لانه لا یجوز ان یکون له اصل وینفرد هو بعلمه من بین الخلق العظیم۔ والخامس ان ینفرد بروایة ما جرت العادة بان ینقله اهل التواتر فلا یقبل لانه لا یجوز ان ینفرد فی مثل هذا بالروایة۔(۱/۱۳۲)

کیونکہ شریعت عقل کے تقاضوں کے مطابق وارد ہوتی ہے نہ کہ عقل کے خلاف۔ دوسرے یہ کہ وہ کتاب اللہ کی نص یا سنت متواترہ کے خلاف ہو۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اس کی کوئی اصل نہیں یا وہ منسوخ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اجماع کے خلاف ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ وہ منسوخ ہے یا اس کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ صحیح اور غیر منسوخ ہو اور امت کا اس کے خلاف اجماع ہو جائے۔ چوتھے یہ کہ ایسے واقعہ کو صرف ایک راوی بیان کرے جس کا جاننا تمام لوگوں پر واجب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس بات کی کوئی اصل ہو اور تمام لوگوں میں سے صرف ایک راوی اس کو نقل کرے۔ پانچویں یہ کہ ایسی بات کو صرف ایک آدمی نقل کرے جس کو عادتاً لوگ تواتر کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ یہ بھی قبول نہیں ہوگی، کیونکہ جائز نہیں کہ ایسے واقعہ کو نقل کرنے والا صرف ایک آدمی ہو۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس فہرست میں کئی اور چیزوں کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے، لیکن ہمارے خیال میں امام ابن الجوزی نے اس بحث کو نہایت خوبصورت طریقے سے اپنے مختصر اور جامع الفاظ میں سمیٹ دیا ہے:

ما احسن قول القائل : اذا رایت الحدیث یباین المعقول او یخالف المنقول او یناقض الاصول فاعلم انه موضوع۔ (تدریب الراوی، السیوطی ۱/۲۷۷)

’’کسی کہنے والے نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ جب تم دیکھو کہ ایک حدیث عقل کے خلاف ہے یا ثابت شدہ نص کے مناقض ہے یا کسی اصول سے ٹکراتی ہے تو جان لو کہ وہ موضوع ہے۔‘‘

اب وہ مثالیں ملاحظہ کیجیے، جن میں مذکورہ اصولوں کو برتتے ہوئے جلیل القدر اہلِ علم نے درایتی معیار پر پورا نہ اترنے والی بہت سی روایات کو ناقابلِ قبول قرار دیا ہے، اگرچہ ان کے راوی نہایت ثقہ اور اسانید بالکل متصل ہیں۔

مسلمات دین کے خلاف روایات

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے:

كان فی ما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات یحرمن ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وهی فی ما یقرا من القرآن۔ (مسلم، رقم ۳۵۹۷)

''قرآن مجید میں پہلے یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس مرتبہ کسی عورت کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ پھر اس حکم کو منسوخ کر کے پانچ مرتبہ دودھ پینے کو باعث حرمت قرار دیا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو یہ حکم قرآن مجید کی آیات میں شامل تھا۔''

امام ابوبکر الجصاص اس پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما حدیث عائشة فغیر جائز اعتقاد صحته علی ما ورد .... ولیس احد من المسلمین یجیز نسخ القرآن بعد موت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فلو کان ثابتا لوجب ان تکون التلاوة موجودة۔ (ابوبکر الجصاص، احکام القرآن ۱۲۵/۳)

''اس حدیث کو صحیح خیال کرنا درست نہیں، کیونکہ کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی وفات کے بعد قرآن میں نسخ کو جائز نہیں مانتا۔ اگر یہ روایت درست ہوتی تو مذکورہ حکم کی آیت قرآن میں موجود ہوتی۔''

اس روایت کے بارے میں یہی رائے امام سرخسی اور امام طحاوی کی ہے۔[9]

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ لبید بن اعصم یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا جس کا اثر آپ پر اس طرح ظاہر ہوا کہ آپ نے ایک کام نہیں کیا ہوتا تھا، لیکن سمجھتے کہ اسے کر چکے ہیں۔[10]

امام ابوبکر الجصاص اس روایت کی سخت الفاظ میں تردید کرتے ہیں:

ومثل هذه الاخبار من وضع الملحدین ..... والعجب ممن یجمع بین تصدیق الانبیاء علیهم السلام واثبات

''اس طرح کی روایات ملحدین کی وضع کردہ ہیں۔ ان لوگوں پر تعجب ہے جو انبیا کی تصدیق کرنے اور ان کے معجزات کو ماننے کے ساتھ ساتھ یہ بھی مانتے ہیں کہ

---

۹ السرخسی، اصول السرخسی ۸۰،۷۹/۲۔ الطحاوی، مشکل الآثار ۶/۳۔

۱۰ مسلم، رقم ۵۷۰۳۔

معجزاتهم و بين التصديق بمثل هذا من فعل السحرة۔ (احکام القرآن ۴۶/۱)

جادوگر انبیا کے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں۔''

صحیح مسلم میں حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک جھگڑے کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

اقض بيني و بين هذا الكاذب الآثم الغادر الخائن۔ (مسلم، رقم ۴۵۷۷)

''میرے اور اس جھوٹے، گناہ گار، بد عہد اور خائن کے درمیان فیصلہ کیجیے۔''

امام نووی، علامہ مازری سے نقل کرتے ہیں:

هذا اللفظ الذى وقع لا يليق ظاهره بالعباس و حاش لعلى ان يكون فيه بعض هذه الاوصاف فضلا عن كلها ولسنا نقطع بالعصمة الا للنبى ولمن شهد له بها لكنا مامورون بحسن الظن بالصحابة رضى الله عنهم اجمعين و نفى كل رذيلة عنهم و اذا انسدت طرق تاويلها نسبنا الكذب الى رواتها۔ (النووی، شرح صحیح مسلم ۷۲/۱۲)

''اس روایت میں واقع یہ الفاظ بظاہر حضرت عباس سے صادر نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ بات ناقابلِ تصور ہے کہ سیدنا علی کی ذات میں ان میں سے کوئی ایک وصف بھی پایا جائے، چہ جائیکہ تمام اوصاف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان لوگوں کے علاوہ جن کے بارے میں آپ نے جھوٹ سے محفوظ ہونے کی شہادت دی ہے، ہمارا کسی کے بارے میں بھی معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ صحابہ کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور ہر بری بات کی ان سے نفی کریں۔ چونکہ روایت میں تاویل کی کوئی گنجایش نہیں، اس لیے ہم اس روایت کے راویوں کو ہی جھوٹا قرار دیں گے۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو دیکھیں گے کہ ان پر ذلت اور سیاہی چھائی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ یا اللہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تمھیں رسوا نہیں کروں گا اور باپ کی رسوائی سے بڑھ کر کیا رسوائی ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر رکھا ہے۔[۱۱]

۱۱؎ بخاری، رقم ۴۷۶۸، ۴۷۶۹۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

امام اسماعیلی فرماتے ہیں:

هـذا خبـر فـی صـحته نظر من جهة ان ابـراهيـم علم ان اللّٰه لا يخلف الميعاد فـكيف يـجـعـل ما صار لابيه خزيا مع علمه بذالك۔ (فتح الباری ۸/۵۰۰)

''اس روایت کی صحت میں اشکال ہے، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا تو ان کے والد کا جو انجام ہوا، اس کو وہ کیسے اپنی رسوائی قرار دے سکتے (اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی کی شکایت کر سکتے) ہیں؟''

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ جب رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اس کے بیٹے کو دی اور فرمایا کہ اس میں اس کی تکفین کی جائے۔ پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے اٹھے تو حضرت عمر نے کہا:

تـصـلی علیه وهو منافق وقد نهاك اللّٰه ان تستغفر لهـم؟

''کیا آپ اس منافق کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع کیا ہے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا:

انـما خيرنی اللّٰه فقال استغفر لهم او لا تستغفر لهـم ان تستغفر لهـم سبعين مرة فـلـن يـغـفـر الله لهـم فقال سازيده علی سبعين۔ (بخاری، رقم ۴۶۷۲)

''اللہ نے مجھے اختیار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے لیے استغفار کرو چاہے نہ کرو، اگر تم ستر مرتبہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو گے تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ اس لیے میں ستر سے زیادہ مرتبہ اس کے لیے دعا کروں گا۔''

اس کے بعد آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اس روایت کو متعدد محدثین نے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

واستشـكل فهم التخيير من الاية حتی اقـدم جـمـاعة من الاكابر علی الطعن فـی صحة هذا الحديث مع كثرة طرقه واتـفـاق الشيخين وسائر الذين خرجوا

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آیت سے اختیار کا مفہوم اخذ کرنا محل اشکال سمجھا گیا ہے، اسی لیے اکابر اہل علم کی ایک جماعت نے، باوجودیکہ اس حدیث کی سندیں بہت سی ہیں اور شیخین اور صحیح احادیث جمع

الصحيح على تصحيحه ..... انكر القاضي ابوبكر صحة هذا الحديث وقال: لا يجوز ان يقبل هذا ولا يصح ان الرسول قاله انتهى۔ ولفظ القاضي ابي بكر الباقلاني في التقريب: هذا الحديث من اخبار الاحاد التي لا يعلم ثبوتها۔ وقال امام الحرمين في مختصره: هذا الحديث غير مخرج في الصحيح۔ وقال في البرهان: لا يصححه اهل الحديث۔ وقال الغزالي في المستصفى: الاظهر ان هذا الخبر غير صحيح۔ وقال الداودي الشارح: هذا الحديث غير محفوظ۔

(فتح الباری، ۳۳۸/۸)

کرنے والے دوسرے محدثین اس کے صحیح ہونے پر متفق ہیں، اس حدیث کی صحت پر اعتراض کیا ہے۔ قاضی ابوبکر نے اس حدیث کو صحیح ماننے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو قبول کرنا جائز نہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما سکتے ہیں۔ تقریب میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان اخبار آحاد میں سے ہے جن کا ثبوت مشکوک ہے۔ امام الحرمین کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح احادیث کے زمرے میں نہیں ہے۔ برہان میں کہتے ہیں کہ اس کو علماء حدیث صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ غزالی ''المستصفی'' میں لکھتے ہیں کہ اس کا غیر صحیح ہونا بالکل واضح ہے۔ شارح داؤدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث محفوظ نہیں۔''

امام طحاوی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لان محالا ان يكون الله تعالى ينهى نبيه عن شئى ثم يفعل ذلك الشئى ولا نرى هذا الا وهما من بعض رواة الحديث۔ (مشکل الآثار ۱/۱۴)

''یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کسی کام سے منع کرے اور پھر نبی وہی کام کرے۔ ہمارے خیال میں یہ سراسر کسی راوی کا وہم ہے۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لم يكذب ابراهيم عليه الصلاة والسلام الا ثلاث كذبات۔ (بخاری، رقم ۳۳۵۸)

''ابراہیم علیہ السلام نے (پوری زندگی میں) صرف تین جھوٹ بولے۔''

امام رازی اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لان يضاف الكذب الى رواته اولى من

''انبیا علیہم السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ان یضاف الی الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام۔ (التفسیر الکبیر ۲۲/۱۸۵)

سے بہتر ہے کہ حدیث کے راویوں کو جھوٹا قرار دیا جائے۔‘‘

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان یاجوج وماجوج لیحفرون السد کل یوم حتی اذا کادوا یرون شعاع الشمس قال الذی علیھم ارجعوا فستحفرونه غدا فیعودون الیه کاشد ما کان حتی اذا بلغت مدتھم واراد اللّٰه عزوجل ان یبعثھم علی الناس حفروا حتی اذا کادوا یرون شعاع الشمس قال الذی علیھم ارجعوا فستحفرونه غدا ان شاء اللّٰه فیستثنی فیعودون الیه وھو کھیئته حین ترکوہ فیحفرونه ویخرجون علی الناس۔

(مسند احمد بن حنبل ۲/۵۱۰)

’’یاجوج وماجوج ذو القرنین کی بنائی ہوئی دیوار کو روزانہ کھودتے ہیں، یہاں تک کہ جب سوراخ میں سے سورج کی کرنیں اندر آنے لگتی ہیں تو ان کا نگران کہتا ہے کہ اب واپس لوٹ چلو، کل ہم اس دیوار کو کھود ڈالیں گے، لیکن اگلے دن وہ آتے ہیں تو دیوار دوبارہ نہایت مضبوطی سے بند ہو چکی ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا، یہاں تک کہ جب ان کی قید کی مدت پوری ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان کو لوگوں پر مسلط کرنا چاہیں گے تو ایک دن وہ دیوار کو کھودیں گے اور جب سورج کی کرنیں اندر آنے لگیں گی تو نگران کہے گا کہ اب واپس چلو، ان شاء اللہ کل ہم اس کو کھود لیں گے۔ ان شاء اللہ کہنے کی وجہ سے جب وہ اگلے دن آئیں گے تو دیوار اسی حالت پر ہوگی جس پر وہ کل اسے چھوڑ کر گئے تھے، چنانچہ وہ اس کو کھود کر باہر نکل آئیں گے۔‘‘

یہ روایت بظاہر قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے:

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۔ (الکہف ۹۷)

’’نہ وہ اس دیوار کو سر کر سکے اور نہ اس میں سوراخ ہی کر سکے۔‘‘

چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

اسنادہ جید قوی ولکن متنه فی رفعه نکارۃ لان ظاھر الآیة یقتضی انھم لم یتمکنوا من ارتقائه ولا من نقبه

’’اس حدیث کی سند بہت عمدہ اور قوی ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بات کی نسبت کرنا محل اعتراض ہے، کیونکہ قرآن مجید کا ظاہر یہ تقاضا

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لاحكام بنائه وصلابته وشدته ولكن هذا قد روى عن كعب الاحبار .... ولعل ابا هريرة تلقاه من كعب فانه كان كثيرا ما كان يجالسه ويحدثه فحدث به ابو هريرة فتوهم بعض الرواة انه مرفوع فرفعه ۔ (تفسیر القرآن العظیم ۴/۱۰۵)

کرتا ہے کہ یاجوج و ماجوج سدِ ذوالقرنین کی مضبوطی، پختگی اور سختی کی وجہ سے نہ اس پر چڑھ سکے اور نہ اس میں نقب لگا سکے۔ یہ روایت اصل میں کعب الاحبار سے مروی ہے جو ابو ہریرہ کے پاس بکثرت بیٹھتے اور انھیں روایات سنایا کرتے تھے۔ غالباً ابو ہریرہ نے یہ روایت ان سے سن کر بیان کی اور راوی نے غلط فہمی سے اس کی نسبت رسول اللہ کی طرف کر دی۔''

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

خلق اللّٰه التربة يوم السبت وخلق فيها الجبال يوم الاحد وخلق الشجر يوم الاثنين وخلق المكروه يوم الثلاثاء وخلق النور يوم الاربعاء وبث فيها الدواب يوم الخميس وخلق آدم عليه السلام بعد العصر من يوم الجمعة فى آخر الخلق۔ (مسلم، رقم ۷۰۵۴)

''اللہ نے ہفتے کے دن زمین کی سطح کو پیدا کیا، اتوار کے دن اس میں پہاڑوں کو، پیر کے دن درختوں کو، منگل کے دن بری چیزوں کو اور بدھ کے دن روشنی کو پیدا کیا۔ جمعرات کے دن اس میں چوپایوں کو پھیلا دیا اور سب مخلوقات کے آخر میں جمعے کے دن عصر کے بعد آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

امام ابن القیم کہتے ہیں کہ یہ روایت قرآن مجید کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید کے مطابق آسمان و زمین کی تخلیق چھ دن میں مکمل ہوئی جبکہ یہ روایت یہ بتاتی ہے کہ مدتِ تخلیق سات دن تھی[۱۲]۔ نیز قرآن مجید کی رو سے زمین اور اس کے خزانوں کی تخلیق چار دن میں اور آسمان کی تخلیق دو دن میں مکمل ہوئی، جبکہ مذکورہ روایت میں سات دن میں صرف زمین کی تخلیق کا ذکر ہے اور آسمان کی تخلیق کا سرے سے ذکر ہی نہیں۔ اسی وجہ سے جلیل القدر محدثین نے اس روایت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ مناوی لکھتے ہیں:

قال الزركشي : اخرجه مسلم وهو من غرائبه وقد تكلم فيه ابن المديني والبخاري وغيرهما من الحفاظ

''زرکشی کہتے ہیں کہ یہ روایت امام مسلم کی نقل کردہ غریب روایات میں سے ہے۔ اس میں ابن المدینی، بخاری اور دیگر حفاظ حدیث نے کلام کیا ہے اور کہا ہے

۱۲؎ ابن القیم، المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، ص ۸۶۔

وجعلوه من كلام كعب الاحبار وان ابا هريرة انما سمعه منه لكن اشتبه على بعض الرواة فجعله مرفوعا ـ

(فیض القدیر، مناوی ۳/۴۴۸)

کہ یہ دراصل کعب احبار کا کلام ہے جو ان سے ابو ہریرہ نے سنا، لیکن کسی راوی کو اشتباہ ہوا اور اس نے اس کی نسبت رسول اللہ کی طرف کر دی۔''

صحیح بخاری میں نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا:

كنا فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم لا نعدل بابى بكر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبى لا نفاضل بينهم ـ (بخاری، رقم ۳۶۹۸)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم فضیلت کے لحاظ سے سب سے اونچا درجہ حضرت ابوبکر کا سمجھتے تھے، پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان کا۔ اس کے بعد ہم رسول اللہ کے اصحاب میں کسی کی کسی پر کوئی فضیلت نہیں سمجھتے تھے۔''

امام ابن عبدالبر اس پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان هذا الحديث خلاف قول اهل السنة ان عليا افضل الناس بعد الثلاثة فانهم اجمعوا على ان عليا افضل الخلق بعد الثلاثة ودل هذا الاجماع على ان حديث ابن عمر غلط وان كان السند اليه صحيحا ـ

(فتح الباری، ۷/۱۶)

''یہ حدیث اہل سنت کے اس اجماعی قول کے خلاف ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے بعد سیدنا علی سب سے افضل ہیں۔ یہ اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ ابن عمر کی یہ حدیث غلط ہے اگرچہ ان تک اس قول کی سند بالکل صحیح ہے۔''

عقل عام، قیاس اور تجربہ کے خلاف روایات

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خلق الله آدم وطوله ستون ذراعا ..... فلم يزل الخلق ينقص حتى الآن ـ

(بخاری، رقم ۳۳۲۶)

''اللہ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک مخلوق کا قد برابر چھوٹا ہوتا چلا آ رہا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

ویشکل علی هذا ما یوجد الآن من آثار الامم السالفة کدیار ثمود فان مساکنهم تدل علی ان قاماتهم لم تکن مفرطة الطول علی حسب ما یقتضیه الترتیب السابق ولا شك ان عهدهم قدیم وان الزمان الذی بینهم وبین آدم دون الزمان الذی بینهم وبین اول هذه الامة ولم یظهر لی الی الآن ما یزیل هذا الاشکال۔

''اس پر یہ اشکال ہے کہ گزشتہ اقوام مثلاً قوم ثمود کے آثار اور ان کی بستیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قد ہمارے قد کے مقابلے میں اتنے لمبے نہیں تھے جتنا کہ حدیث میں بیان کردہ ترتیب تقاضا کرتی ہے۔ ان کا زمانہ بھی بہت قدیم ہے اور ان کے اور آدم علیہ السلام کے مابین زمانی فاصلہ اس سے کم ہے جو ان کے اور اس امت کے دور اول کے مابین ہے۔ تا حال میرے سامنے کوئی ایسی توجیہ نہیں آئی جس سے یہ اشکال زائل ہو جائے۔''

(فتح الباری، ۶/ ۳۶۷)

ابن خلدون نے بھی اسی بنیاد پر اس روایت کو رد کیا ہے[۱۳]۔

صحیح بخاری میں عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا اور دوسرے بندروں نے جمع ہو کر اس کو سنگ سار کیا[۱۴]۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حافظ ابن عبد البر اس حدیث پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فیها اضافة الزنا الی غیر مکلف واقامة الحد علی البهائم وهذا منکر عند اهل العلم قال فان کانت الطریق صحیحة فلعل هولاء کانوا من الجن لانهم من جملة المکلفین۔ (فتح الباری ۷/ ۱۶۰)

''میں زنا کی نسبت غیر مکلّف کی طرف کی گئی ہے اور جانوروں پر حد لگانے کا ذکر ہے اور اہل علم کے نزدیک یہ بات بعید از قیاس ہے۔ اگر اس کی سند صحیح ہے تو پھر غالباً یہ جن ہوں گے، کیونکہ وہ بھی مکلفین میں شامل ہیں۔''

محدث ابن الجوزی نے بھی اسی بنیاد پر اس روایت کو مردود قرار دیا ہے[۱۵]۔

۱۳؎ فیض الباری، انور شاہ کشمیری ۴/ ۱۶۔

۱۴؎ بخاری، رقم ۳۸۴۹۔

۱۵؎ فیض الباری ۴/ ۶۷۔

سنن نسائی میں حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

ان الشمس و القمر لا ینکسفان لموت احد و لا لحیاته ولکنهما آیتان من آیات اللّٰه عزو جل ان اللّٰه عزو جل اذا بدا لشئی من خلقه خشع له۔ (نسائی، رقم ۱۴۸۶)

''سورج اور چاند کو کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ یہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ گرہن لگنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی مخلوقات میں سے کسی پر اپنی تجلی ڈالتے ہیں تو وہ خشوع و عجز کا اظہار کرتی ہے۔''

ابن حجر اس پر امام غزالی کا تبصرہ نقل کرتے ہیں کہ:

انها لم تثبت فیجب تکذیب ناقلها قال: ولو صحت لکان تاویلها اهون من مکابرة امور قطعیة لا تصادم اصلا من اصول الشریعة۔ (فتح الباری ۲/۵۳۷)

''یہ بات ثابت نہیں، لہٰذا اس کے راوی کی تکذیب لازم ہے۔ اگر روایت صحیح بھی ہو تو اس کی تاویل کرنا ان قطعی امور کے بے جا انکار سے بہتر ہے جو شریعت کی کسی اصل سے نہیں ٹکراتے۔''

سنن ابی داؤد میں حضرت علی سے بکریوں کی زکوٰۃ کے نصاب کے بیان میں ایک روایت مروی ہے جس میں ذکر ہے کہ اگر بکریوں کی تعداد پچیس ہو تو ان میں سے پانچ بکریاں زکوٰۃ کے طور پر وصول کی جائیں[۱۶]۔

جانوروں کی زکوٰۃ کے معروف نصاب کے حساب سے پچیس بکریوں میں پانچ بکریوں کی زکوٰۃ بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ امام سفیان ثوری اس پر انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کان افقه من ان یقول ذالك۔ (کتاب الاموال، ابوعبید ۳۶۳)

''سیدنا علی فقہ وفہم کے لحاظ سے اس سے کہیں بلند ہیں کہ ایسی کمزور بات فرمائیں۔''

تاریخی قرائن کے خلاف روایات

صحیح بخاری میں حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن ابی کے حامیوں اور صحابۂ کرام کے مابین جھگڑا ہو گیا جس پر یہ آیت اتری:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا۔ (الحجرات ۴۹:۹)

''اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرا دو[۱۷]۔''

---

[۱۶] ابی داؤد، رقم ۱۵۷۲۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

محدث ابن بطال فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس واقعہ کے متعلق نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس میں دو مومن گروہوں میں صلح کرانے کا ذکر ہے، جبکہ روایات کے مطابق عبداللہ بن ابی اور اس کا گروہ اس وقت تک علانیہ کافر تھا۔[18]

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ ابوسفیان کے اسلام قبول کرنے کے باوجود مسلمان نہ ان کی طرف توجہ کرتے تھے اور نہ ان کے پاس بیٹھتے تھے۔ انہوں نے یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ کا نکاح آپ کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔[19]

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام حبیبہ کے ساتھ نکاح فتح مکہ سے بہت پہلے ہو چکا تھا، جبکہ ابوسفیان ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ لہٰذا اس روایت کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔[20]

جامع ترمذی میں واقعۂ افک کی روایت میں ذکر ہے کہ سیدہ عائشہ پر الزام لگانے والوں میں حضرت حسان بن ثابت بھی شامل تھے اور ان پر حدِ قذف جاری کی گئی تھی۔[21]

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں، کیونکہ حضرت حسان نے اپنے اشعار میں سیدہ عائشہ کی عفت وعصمت کا دفاع کیا ہے اور اس الزام سے اپنی برأت کا اعلان کیا ہے:

والعبرة عندی باخذ قول حسان نفسه	”میرے نزدیک خود حضرت حسان کے بیان پر اعتماد
ولا عبرة بما يذاع بين الناس ويشاع	کرنا چاہیے۔ لوگوں کے مابین جو باتیں مشہور ہو جاتی
فان حال الخبط فی الاخبار معلوم	ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ روایات میں واقع
وبالجملة نسبة القذف اليه عندی	ہونے والی گڑبڑ کا حال معلوم ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ
خلاف التحقيق وكذا من جعله	حضرت حسان کی طرف قذف کی نسبت میرے نزدیک
مصداقا لقوله والذی تولی كبره باطل	خلافِ تحقیق ہے، اسی طرح ان کو والذی تولی کبرہ کا
عندی۔ (فیض الباری ۴/۱۰۷۔۲۱۶)	مصداق قرار دینا میرے نزدیک بالکل بے بنیاد ہے۔“

---

۱۷ بخاری، رقم ۲۶۹۱۔

۱۸ فتح الباری ۵/۲۹۹۔

۱۹ مسلم، رقم ۶۴۰۹۔

۲۰ الامیر الیمانی، توضیح الافکار ۱/۱۲۸، ۱۲۹۔

۲۱ ترمذی، رقم ۳۱۸۰۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فقہا اور نقد درایت

ہماری علمی روایت میں حدیث کے نقدِ درایت کی بحث خاص طور پر ان روایات کے بارے میں پیدا ہوئی جو فقہی احکام کا ماخذ بن سکتی ہیں۔ اس ضمن میں اہلِ علم کے ہاں معرکہ آرا بحثیں موجود ہیں۔ ایک طرف شوافع اور حنابلہ ہیں جن کے نزدیک، بالعموم، کسی حدیث کو ماخذِ حکم بنانے اور اس پر عمل کرنے کے لیے محض اس کا سنداً صحیح ہونا کافی ہے اور دین کے دیگر اصولوں یعنی قرآن، سنت اور قیاس پر اس کو پرکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ابن السمعانی فرماتے ہیں:

متی ثبت الخبر صار اصلا من الاصول ولا یحتاج الی عرضه علی اصل آخر لانه ان وافقه فذاك وان خالفه فلا یجوز رد احدهما لانه رد للخبر بالقیاس وهو مردود باتفاق فان السنة مقدمة علی القیاس بلا خوف۔ (فتح الباری ۴/۳۶۶)

”روایت جب (سنداً) ثابت ہو جائے تو وہ بذات خود ایک اصل بن جاتی ہے اور اسے دوسرے اصولوں پر پرکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، کیونکہ اگر روایت کسی دوسرے اصول کے موافق ہو تو درست، اور اگر خلاف ہو تو اس کی بنا پر روایت کو رد کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ تو قیاس کے مقابلے میں حدیث کو رد کرنا ہے جو کہ بالاتفاق درست نہیں، اس لیے کہ سنت بہرحال قیاس پر مقدم ہے۔“

دوسری طرف فقہاے حنفیہ اور مالکیہ ہیں جن کے نزدیک صحت سند کے علاوہ روایت کے درایتی نقد کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے اور اس حوالے سے ان کے ہاں مفصل بحثیں ملتی ہیں۔

امام شاطبی اس ضمن میں ایک اصولی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا القسم علی ضربین : احدهما ان تکون مخالفته للاصل قطعیة فلا بد من رده۔ والآخر ان تکون ظنیة اما بان یتطرق الظن من جهة الدلیل الظنی واما من جهة کون الاصل لم یتحقق

”ظنی دلیل اگر قطعی دلیل کے مخالف ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس کا اصل کے مخالف ہونا قطعی ہو، اس صورت میں اس کو رد کرنا لازم ہے۔ دوسری یہ کہ اس کا اصل کے خلاف ہونا ظنی ہو، یا تو اس لیے کہ اصل کے ساتھ اس کی مخالفت ظنی ہے اور یا اس لیے کہ

كـونـه قطعيا وفى هذا الموضع مجال للمجتهدين ولكن الثابت فى الجملة ان مخالفة الظنى لاصل قطعى يسقط اعتبار الظنى على الاطلاق وهو مما لا يختلف فيه۔

اصل کا قطعی ہونا متحقق نہیں ہوا۔ اس دوسری صورت میں مجتہدین کے لیے اختلاف کی گنجایش ہے۔ لیکن اصولی طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ ظنی کا قطعی کے مخالف ہونا ظنی کو ساقط الاعتبار کر دیتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

''اصول السرخسی'' میں امام سرخسی نے ان اصولوں پر بالتفصیل بحث کی ہے جو خبر واحد کو پرکھنے کے لیے معیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

فاما القسم الاول وهو ثبوت الانقطاع بدليل معارض فعلى اربعة اوجه :اما ان يكون مخالفا لكتاب اللّٰه تعالى او السنة المشهورة عن رسول الله او يكون حديثا شاذا لم يشتهر فى ما تعم به البلوى ويحتاج الخاص والعام الى معرفته او يكون حديثا قد اعرض عنه الائمة من الصدر الاول بان ظهر منهم الاختلاف فى تلك الحادثة ولم تجر بينهم المحاجة بذلك الحديث۔

(اصول السرخسی ۱/ ۳۶۴)

''کسی دوسری دلیل کے ساتھ تعارض کے اعتبار سے روایت کے منقطع ہونے کی چار صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ روایت کتاب اللہ کے خلاف ہو۔ دوسری یہ کہ رسول اللہ کی سنت مشہورہ کے خلاف ہو۔ تیسری یہ کہ عموم بلویٰ میں کوئی شاذ اور غیر مشہور حدیث وارد ہو، حالانکہ اس کی معرفت ہر خاص وعام کو ہونی چاہیے۔ چوتھی یہ کہ کوئی ایسی حدیث ہو جس سے صدر اول کے ائمہ نے اعراض کیا ہو، یعنی ان کے مابین اس مسئلے کے بارے میں بحث ہوئی ہو، لیکن اس حدیث سے انھوں نے استدلال نہ کیا ہو۔''

ایک دوسری بحث میں لکھتے ہیں:

اذا انسد باب الراى فى ما روى وتحققت الضرورة بكونه مخالفا للقياس الصحيح فلا بد من تركه۔

(نفس المصدر ۱/ ۳۴۱)

''جب کسی روایت کے ماننے سے رائے کا باب بالکل بند ہوتا ہو اور ہر پہلو سے واضح ہو جائے کہ وہ قیاس صحیح کے مخالف ہے تو اس کو چھوڑنا لازم ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مخالف قرآن روایات

احناف اور مالکیہ کے نزدیک قرآن مجید کے ساتھ موافقت، حدیث کی قبولیت کی پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ سرخسی اس اصول کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

اذا کان الحدیث مخالفا لکتاب اللّٰہ تعالی فانه لا یکون مقبولا ولا حجة للعمل به عاما کانت الآیة او خاصا نصا او ظاهرا عندنا علی ما بینا ان تخصیص العام بخبر الواحد لا یجوز ابتداء و کذلك ترك الظاهر فیه والحمل علی نوع من المجاز لا یجوز بخبر الواحد عندنا۔ (نفس المصدر ۱/ ۳۶۴)

''اگر حدیث کتاب اللہ کے خلاف ہو تو ہمارے نزدیک وہ قابل قبول اور عمل کے لیے حجت نہیں ہو سکتی، چاہے آیت عام ہو یا خاص، ظاہر ہو یا نص۔ ہم بتا چکے ہیں کہ کتاب اللہ کے عام حکم کو خبر واحد کی بنا پر خاص کرنا یا اس کے ظاہری مفہوم کو خبر واحد کی وجہ سے کسی مجازی معنی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے۔''

فقہا احناف نے اس اصول پر جن روایتوں کو رد کیا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

جامع ترمذی میں بسرۃ بنت صفوان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مس ذکرہ فلا یصل حتی یتوضا۔ (ترمذی، رقم ۸۲)

''جو آدمی اپنی شرم گاہ کو چھوئے، اسے چاہیے کہ وہ وضو کرے۔''

سرخسی فرماتے ہیں کہ یہ روایت قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں مسجد قبا کے نمازیوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فِیۡهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَهَّرُوۡا ۔ (التوبہ: ۱۰۸)

''اس میں ایسے مرد ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ خوب طہارت حاصل کریں (یعنی پانی سے استنجا کریں)۔''

ظاہر ہے کہ پانی سے استنجا شرم گاہ کو ہاتھ لگائے بغیر نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو طہارت حاصل کرنے سے تعبیر کیا ہے جبکہ مذکورہ حدیث میں، اس کے برخلاف، مس ذکر کو نقض طہارت کا سبب قرار دیا گیا ہے، اس لیے یہ حدیث قابل قبول نہیں۔[۲۲]

سنن ابی داؤد میں فاطمہ بنت قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ ایسی عورت کا نفقہ دوران عدت میں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خاوند کے ذمے واجب نہیں جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں۔[۲۳]

سرخسی فرماتے ہیں کہ یہ روایت قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے:

اَسۡکِنُوۡھُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِکُمۡ۔ (الطلاق ۶۵:۶)	''تم ان کو اپنی طاقت کے مطابق وہیں ٹھیراؤ جہاں تم خود ٹھیرتے ہو۔''

آیت میں 'اسکنوھن' سے مراد 'انفقوھن' ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دورانِ عدت میں بیوی کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے، لہٰذا مذکورہ حدیث کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔[۲۴]

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مقدمات میں ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔[۲۵]

اپنے ظاہر کے لحاظ سے یہ روایت کتاب اللہ کے اس حکم کے منافی ہے:

وَاسۡتَشۡھِدُوۡا شَھِیۡدَیۡنِ مِنۡ رِّجَالِکُمۡ۔ (البقرہ ۲: ۲۸۲)	''اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بناؤ۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

چنانچہ امام جصاص فرماتے ہیں:

انها لو وردت من طرق مستقيمة تقبل اخبار الآحاد في مثلها وعريت من ظهور نكير السلف على رواتها واخبارهم انها بدعة لما جاز الاعتراض بها على نص القرآن اذ غير جائز نسخ القرآن باخبار الآحاد۔ (احکام القرآن ۱/۷۰۷)	''یہ روایت اگر ایسی صحیح سندوں سے بھی مروی ہوتی جن کے ساتھ اخبار آحاد قابلِ قبول ہوتی ہیں اور اس کے راویوں پر سلف نے اعتراض بھی نہ کیا ہوتا اور نہ یہ کہا ہوتا کہ یہ طریقہ بدعت ہے تب بھی اس کو قرآن کی نص کے مقابلے میں پیش کرنا درست نہیں تھا، کیونکہ اخبار آحاد کی بنیاد پر کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔''

فقہا مالکیہ کے ہاں اس اصول کے استعمال کی مثالیں یہ ہیں:

---

۲۲ اصول السرخسی ۱/۳۶۵۔

۲۳ ابی داؤد، رقم ۲۲۹۱۔

۲۴ اصول السرخسی ۱/۳۶۵۔

۲۵ مسلم، رقم ۴۴۷۲۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مات وعليه صيام صام عنه وليه۔ (بخاری، رقم ۱۹۵۲)

''جو آدمی فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔''

امام مالک اس حدیث پر عمل نہیں کرتے۔ شاطبی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لمنافاته للاصل القرآنی الكلی نحو قوله تعالى: اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ (الموافقات ۳/۲۲)

''کیونکہ یہ قرآن کے بیان کردہ اس ضابطہ کلیہ کے خلاف ہے کہ کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کے لیے وہی عمل کارآمد ہیں جو اس نے خود کیے ہوں۔''

وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک بچہ پانچ یا دس مرتبہ کسی عورت کا دودھ نہ پی لے، حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی،[27] امام مالک ان کو قبول نہیں کرتے۔ شاطبی فرماتے ہیں:

ولم يعتبر فی الرضاع خمسا ولا عشرا للاصل القرآنی فی قوله: وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ وفی مذهبه من هذا كثير۔ (الموافقات ۳/۲۳)

''امام مالک رضاع میں پانچ یا دس مرتبہ کا اعتبار نہیں کرتے، کیونکہ یہ قرآن کی اس آیت کے (عموم کے) خلاف ہے: وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اور ان کے مذہب میں اس اصول کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔''

(باقی)

---

[27] مسلم، رقم ۳۵۹۷۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

محمد اسلم نجمی

قصۂ آدم و ابلیس

گزشتہ دنوں اسرار عالم صاحب کی کتاب ''دجال'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ کتاب کی ابتدا میں ''مرحلۂ ہفتم: مرحلۂ ابراہیمی'' کے باب میں ''معرکۂ خلافت کا تناظر'' کی ذیلی سرخی کے تحت وہ لکھتے ہیں:

''مرحلۂ دوم کا آغاز اس گھڑی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے مخصوص منصوبے کے تحت حضرت آدم سے ان کا جوڑا حضرت حوا پیدا فرمایا۔ الجنہ کا یہ وہ مرحلہ ہے جب حضرات آدم وحوا پر ابلیس کی چالیں کارگر ہونا شروع ہوئیں۔ چنانچہ وہ آپ دونوں سے حکم الٰہی کی خلاف ورزی کروانے میں کامیاب ہو گیا اور اس طرح الجنہ میں پہلی بار فساد کا آغاز ہوا۔ اس کا خوف ناک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نوع آدم طبعی طور پر الجنہ میں سکونت پزیر رہنے اور روحانی طور پر حسب سابق مدارج خلافت میں ترقی کر کے مقامِ محمود تک پہنچنے کی اہلیت سے قاصر ہو گیا۔ بہرحال نوع آدم سے ایک عظیم خطا سرزد ہوئی تھی، لیکن حضرات آدم وحوا اپنی اس خطا پر بلا تاخیر متنبہ ہوئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا۔ اس توبہ وانابت کے سبب ہر چند کہ آپ دونوں حضرات کی خطا معاف ہو گئی تھی، لیکن اس خطا سے نوعِ آدم میں جسمانی اور روحانی قصور وفساد کا آغاز ہو گیا جس نے مزید ایسی صورتیں پیدا کر دیں جو اس نوع کے انحطاط کا باعث ہوئیں۔ ابتداءً یہ قصور وفساد جسم وطبع میں پیدا ہوئے۔ لہٰذا حضرات آدم وحوا کو الجنہ سے روئے ارض پر منتقل کر دیا گیا۔'' (۸/۲)

اس سے آگے انھوں نے اس پیرے میں بیان کردہ مقدمات کی بنیاد پر قصۂ آدم و ابلیس کی فلسفیانہ توجیہات اور نتائج بیان کیے ہیں۔ یہ تفصیلات بظاہر ناقابل فہم اور ہول ناک محسوس ہوتی ہیں۔ فساد کا آغاز، مقام محمود تک پہنچنے کی اہلیت سے محرومی، عظیم خطا کا صدور، جسمانی اور روحانی قصور وفساد وغیرہ جیسے الفاظ و اصطلاحات سے تو لگتا ہے کہ انسان اپنی نااہلی ثابت ہو جانے کے بعد دنیا میں درپیش آزمایش میں ڈالا گیا ہے، اگر ایسا ہے تو یہ انسان کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس پیرے میں جو باتیں ہوئی ہیں، ان کی حقیقت کیا ہے؟

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جواب: قصۂ آدم وابلیس قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر بیان ہوا ہے۔ ابتداءً یہ داستان سورۂ بقرہ کی آیات ۳۰ ــــ ۳۹ میں سورہ کی تمہیدی آیات کے خاتمۂ کلام کے طور پر وارد ہوئی ہے۔ سورۂ بقرہ ہجرت کے بعد سے لے کر غزوۂ بدر سے متصلاً قبل تک نازل ہوئی۔ یہ یہود پر اتمام حجت کی سورہ ہے۔

اس قصے کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ (البقرہ۲:۳۰)

''اور (یاد کرو) جب کہ تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

اگر سورہ میں یہود پر اتمام حجت کے مضمون کی رعایت سے آیت کا ترجمہ کیا جائے تو وہ یوں ہوگا:

''اے پیغمبر! یہود کے اس (مخالفانہ اور معاندانہ) رویے کو سمجھنے کے لیے وہ واقعہ یاد کرو جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سورہ کے مرکزی مضمون کا اگر لحاظ رکھا جائے تو یہ بالکل واضح ہے کہ قصۂ آدم وابلیس کی سرگزشت سنانے کا مقصد اس آئینے میں اس ردعمل کی تصویر دکھانا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے آپ کے مخاطبین اور بالخصوص یہود پر ہوا۔ گویا یہ بتانا مقصود تھا کہ آپ کی دعوت کے نتیجے میں یہود کی مخالفت کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر نہیں، بلکہ اور وجوہ کی بنا پر ہے۔ ان میں سے ایک وہ بغض وحسد ہے جو سلسلۂ نبوت کے بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل میں منتقل ہو جانے کے باعث ان میں پیدا ہو گیا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہو گئے تھے کہ وہ انبیا کی اولاد اور خدا کی چہیتی قوم ہیں، لہٰذا وہ دنیا میں منصب امامت کو اپنا موروثی حق خیال کرتے تھے اور وہ پیغمبر کی مخالفت کے باوجود خود کو خدا کا برگزیدہ اور آخرت میں خدا کے فضل وکرم کا اجارہ دار سمجھتے تھے۔

اس قصے کی روشنی میں یہ حقیقت ان پر واضح کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے دراصل وہ شیطان کی پیروی کر رہے ہیں۔ جس طرح شیطان نے حسد اور تکبر کی بنا پر حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، بالکل ویسے ہی مرض میں وہ مبتلا ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی دعوت کا انکار کر رہے ہیں۔ اور جیسے شیطان کے سجدے سے انکار کے باوجود حضرت آدم شرف خلافت سے متصف ہوئے، اسی طرح یہود کی مخالفت کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے اور ان کی نبوت ورسالت کے بارے میں مشیتِ ایزدی کا یہ فیصلہ بھی قطعی اٹل ہے کہ وہ قیامت تک کے لیے روے زمین پر قائم ہو، اور ایسا ہی ہوا۔

قرآن مجید میں سورۂ بقرہ میں یہ سرگزشت جس سیاق وسباق میں بیان ہوئی ہے، وہاں اس کا مدعا یہی ہے۔ البتہ بعض

چیزیں جو اشارۃ النص کے طور پر بیان ہوگئی ہیں، وہ یہ ہیں۔

۱۔'انی جاعل فی الارض خلیفة' کے الفاظ میں قصے کی ابتدا ہی میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ حضرت آدم کو زمین ہی کے لیے خلیفہ بنایا گیا تھا۔لہٰذا یہ مقدمہ ہی غلط قرار پاتا ہے کہ انھیں اپنی غلطی کی پاداش میں جنت سے نکلنا پڑا۔

۲۔'خلیفه' کا لفظ عربی زبان میں جہاں نائب اور جانشین کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، وہیں اس لفظ کا استعمال صاحب اختیار و اقتدار ہستی کے لیے بھی معروف ہے، اللہ تعالیٰ اپنے معاملات کے لیے چونکہ کسی کی جانشینی اور نیابت کا محتاج نہیں ہے، اس لیے یہاں خلیفہ کا لفظ لازماً صاحب اختیار و اقتدار ہستی ہی کے لیے آیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جس مخلوق کی خبر دی اس کے بارے میں خلیفہ کا لفظ استعمال کر کے یہ بتا دیا کہ اسے زمین میں اقتدار حاصل ہوگا۔

۳۔خلیفه' کے لفظ میں مضمر اسی حقیقت کی رعایت سے فرشتوں نے ٹھیک نتیجہ نکالا کہ اگر ایسی ہستی تخلیق کی گئی جسے اختیار و اقتدار حاصل ہوئے تو وہ لازماً زمین پر فساد پھیلائے گی اور خون خرابے کا باعث بنے گی۔

۴۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا خلافت ارضی پر تبصرہ کوئی اعتراض نہ تھا، بلکہ لفظ خلیفہ کی رعایت سے پروردگارِ عالم کی تخلیقِ آدم کی اسکیم پر ایک فطری اشکال تھا جو انھیں پیش آیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ابتدائی جواب یہ دیا :

اِنِّیۡ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ (البقرہ۲:۳۰) ''بے شک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

اس جواب سے گویا فرشتوں کو یہ بتانا مقصود تھا کہ میری اسکیم کے ظاہری پہلو سے تم نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ جزوی حقیقت تو ہو سکتی ہے، مگر وہ نتیجہ اصلاً درست نہیں ہے، کیونکہ اس اسکیم کے سارے پہلووں پر تمھاری نظر نہیں ہے۔ جب پوری اسکیم سامنے آ جائے گی تو تمھارا اشکال خود بخود رفع ہو جائے گا۔

۵۔فرشتوں کا سوال، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اعتراض نہ تھا، بلکہ بات کو سمجھنے کی تمہید تھی، اسی لیے انھوں نے اپنے عجز کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ۔ (البقرہ۲:۳۲)

''ان (فرشتوں) نے عرض کیا: آپ کی ذات ہر عیب سے منزہ ہے، ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے بتایا ہے۔علیم وحکیم تو اصل میں آپ ہی ہیں۔''

اس کے بعد جب پوری اسکیم ان کے سامنے آ گئی تو انھوں نے بات سمجھ لی۔ اعترافِ حقیقت تو وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے حسنِ نیت کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ ''اس نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا کہ آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۔ (البقرہ۲:۳۳)

اور زمین کے بھید کو میں ہی جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں اس چیز کو جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے تھے؟''

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو باور کرایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمھیں غایت درجہ قرب اور حضوری حاصل ہے، مگر اس کے باوجود کائنات کی ساری حکمتوں اور مصلحتوں کا احاطہ میرے سوا کسی کے بس کی چیز نہیں ہے۔ تخلیق آدم کی پوری اسکیم اور اس کی حکمتوں کو سمجھنے کی خواہش کو اگرچہ تم نے بیان نہیں کیا تھا، مگر ہم تمھارے سوال کے پیچھے چھپی ہوئی اس حقیقت سے خوب واقف تھے۔

۶۔ نیت کی پاکیزگی کے ساتھ بات کو سمجھنے کے ارادے سے اشکال پیش کرنا مذموم نہیں، بلکہ مستحسن چیز ہے۔ یہ چیز ایمان کی نعمت سے محروم ہونے کی صورت میں قبول حق کی راہ ہموار کرتی ہے اور صاحب ایمان ہونے کی صورت میں ازدیادِ ایمان کا ذریعہ بنتی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین میں سے بہت سے مخلصین کو یہ صورت حال پیش آئی۔ ان کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بہت سے شکوک وشبہات پیدا ہوئے اور کئی اعتراضات نے ان کے فکر ونظر کو پراگندہ کرنے کی کوشش کی، مگر وہ بات کو سمجھنے کی سچی لگن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور جب بات ان کی سمجھ میں آ گئی تو تمام شکوک وشبہات رفع ہو گئے۔ کوئی اعتراض باقی نہ رہا اور انھوں نے بالآخر اسلام قبول کر لیا۔ ان کے برخلاف یہود اور اس طرح کے دوسرے معاندین اسلام بھی اسلام پر اعتراضات وارد کرتے تھے، مگر وہ چونکہ حسد اور تکبر، کبر و نخوت اور دنیوی مفادات و مصالح کی بنا پر انکارِ حق کا فیصلہ کر چکے تھے، اس لیے وہ اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کو انکارِ حق کی آڑ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایمان کی دولت سے محروم رہے۔

۷۔ فرشتوں کے اشکال سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اقتدار و اختیار اگر خدا کی مرضی کے تابع نہ ہوں تو ان کا لازمی نتیجہ فتنہ وفساد اور خون خرابہ ہوگا۔

۸۔ شیطان اور انسان کا باہمی تعلق ہمیشہ کی دشمنی کا ہے۔ لہٰذا شیطان کسی بھلے روپ میں بھی ہو تو بھی وہ ہرگز ہرگز انسان کا دوست نہیں ہو سکتا۔

۹۔ شیطان اس دنیا میں انسان کو درپیش آزمایش کی راہ کھوٹی کرنے کے لیے انانیت اور جنس کے راستے سے حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کے لیے یہی دو بڑے چور دروازے ہیں جہاں سے وہ انسان کی دولت ایمان اچک لینے کے لیے قیامت تک سرگرم رہے گا۔

۱۰۔ حضرت آدم کی لغزش کے بعد توبہ ہمیں اس حقیقت سے روشناس کراتی ہے کہ انسان میں نیکی اور بدی کا شعور ازل ہی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سے موجود ہے۔ یہ فطری شعور انبیا کی تعلیمات سے جلا پاتا ہے۔لیکن انسان اگر اس فطری ہدایت کی قدر نہ کرے اور اپنے اعمال بد کی وجہ سے اس نور باطن کو ضائع کر بیٹھے تو خارج میں انفس و آفاق کی آیات اس کے لیے بے معنی ہو جاتی ہیں۔اللہ کے پیغمبروں کی ہدایت دراصل اس روشنی پر روشنی ہے۔یعنی خیر و شر کا فطری شعور اگر زندہ ہوگا تبھی پیغمبروں کی ہدایت کارآمد ثابت ہوگی۔بصورت دیگر خدا کے پیغمبروں کی موجودگی میں بھی کفر وضلالت کی تاریکیاں دلوں پر ڈیرا جمائے رکھیں گی۔

اس قصے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان کی سعی و جہد کا آخری ہدف جنت کا حصول ہے۔ وہ ایک غلطی کی پاداش میں عارضی جنت سے محروم ہوا،اب اسے ہمیشہ کی جنت کے حصول کے لیے تگ و دو کرنا ہے۔

۱۱۔ یہ دنیا آزمایش کے اصول پر بنائی گئی ہے۔ یہ تزکیۂ نفس کی آزمایش ہے۔اس آزمایش کے ذریعے سے خدا آخرت میں اپنی جنت میں آباد کرنے کے لیے بندوں کا انتخاب کرنا چاہتا ہے۔گویا عارضی جنت میں سرزد ہونے والی خطا اس کے لیے آخرت کی پادشاہی کے حصول کی تمہید بن گئی۔اسے جو صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں اور اس کے لیے انفس و آفاق، خدا کے فرستادوں، آسمانی کتابوں اور الہامی صحیفوں کے ذریعے سے جس قدر رہنمائی کا سامان کیا گیا ہے، اس سے بالبداہت واضح ہے کہ اسے جس آزمایش میں ڈالا گیا ہے، وہ بقدر ظرف ہے اور وہ اس میں پورا اترنے کی کامل صلاحیت رکھتا ہے۔ بشرطیکہ:

ا۔ وہ آزمایش کو آزمایش سمجھے اور اس کے مضمرات اور احوال وظروف سے پوری طرح آگاہ ہو۔

ب۔ وہ اپنے ازلی اور ابدی دشمن شیطان کی چالوں سے ہشیار رہے اور اس کے ہتھکنڈوں سے بچنے کی سعی کرتا رہے۔

ج۔ وہ خدا کے فرستادوں کی ہدایت کو کسی حال میں نظر انداز نہ کرے۔

خلاصہ

اس تجزیے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ دنیا میں انسان کو درپیش آزمایش کے لیے تمہید اور ریہرسل کی حیثیت رکھتا تھا۔اس کے ذریعے سے اس پر درج ذیل حقائق واضح کر دیے گئے۔

۱۔انسان کو اسی دنیا میں خلیفہ بنا کر بھیجنے کے لیے پیدا کیا گیا۔

۲۔دنیا میں بھیجنے سے پہلے آدم وحوا کو اسی دنیا میں کسی باغ میں رکھا گیا۔اس سے مقصود یہ تھا کہ آیندہ کے حقائق ممثل کر کے پیش کر دیے جائیں تاکہ درپیش آزمایش میں کامیابی کی راہ آسان ہو جائے۔

۳۔حق کے بارے میں اشکالات پیش آنے کی صورت میں اس کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔

۴۔اسے جو اختیار و اقتدار عطا ہوا ہے، اس کا صحیح استعمال اسے آخرت کی ابدی بادشاہی کا حق دار بنا سکتا ہے اور اس کے غلط استعمال سے دنیا میں شر و فساد پیدا ہوگا اور آخرت میں وہ خدا کی جنت سے محروم ہو جائے گا۔

۵۔دنیا میں اس کا سب سے خطرناک اور چالاک دشمن شیطان ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۶۔شیطان اس پر بالعموم انانیت اور جنس کے راستے سے حملہ آور ہوکراس کی آخرت کی راہ کھوٹی کرنے کی کوشش کرے گا،لہٰذا وہ اس سے ہمیشہ چوکنا رہے۔

۷۔غلطی ہو جانے کی صورت میں اس کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ وہ فوراً خدا کی طرف متوجہ ہو اور توبہ وانابت کا راستہ اختیار کرے۔

۸۔وہ دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے اپنے آخری ہدف یعنی آخرت میں جنت کا حصول ہر حال میں ملحوظ رکھے۔

۹۔انسان کا اصل شرف اس کا خدا پر اعتماد اور خدا کے پیغمبروں کی ہدایت پر غیر متزلزل یقین ہے۔اسے اپنی اس متاع عزیز کی ہر حال میں حفاظت کرنی چاہیے۔

۱۰۔اسے اس بات پر خدا کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے اسے جس آزمایش میں ڈالا ہے،اس کے سارے مثبت اور منفی پہلو ابتدا ہی میں واضح کر دیے ہیں۔اور انفس و آفاق میں مضمر فطری ہدایت کے ساتھ ساتھ انبیا ورسل کا ایک طویل سلسلہ جاری کیا۔اور بہت سی کتابیں اور صحیفے نازل کیے تاکہ آزمایش کی یاددہانی کے ساتھ ساتھ لغزشوں اور کوتاہیوں پر تنبیہ ہوتی رہے۔

ہمارے نزدیک، سیاقِ کلام اور سورہ کے مضمون و مدعا کی رعایت سے قصۂ آدم و ابلیس کی یہی توجیہ اقرب الی الکتاب ہے اور حسنِ تاویل کے اعتبار سے اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے۔ہماری اس شرح و وضاحت کے بعد اس قصے کے بارے میں اسرار عالم صاحب نے جو کچھ بیان کیا ہے، اسے کسی بھی لحاظ سے قرآن کا متن قبول نہیں کرتا، اس لیے اس پر تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد رفیع مفتی

سفلی علوم

''اور (اب بھی یہی ہوا کہ) جب اللہ کی طرف سے ایک پیغمبر ان کے پاس آ گیا، اُن پیشین گوئیوں کے مطابق، جو ان کے ہاں موجود ہیں تو یہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی، ان میں سے ایک گروہ نے اللہ کی (اس) کتاب کو (اِس طرح) اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا، گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں ہیں، اور (پیغمبر کو ضرر پہنچانے کے لیے) اُس چیز کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے زمانۂ سلطنت میں شیاطین پڑھتے پڑھاتے تھے۔ (یہ اسے سلیمان کی طرف منسوب کرتے ہیں)، دراں حالیکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا، بلکہ شیطان ہی نے کفر کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور (اس چیز کے پیچھے لگ گئے) جو بابل میں دو فرشتوں، ہاروت و ماروت پر اتاری گئی تھی، دراں حالیکہ وہ دونوں اس وقت تک کسی کو کچھ نہ سکھاتے تھے، جب تک اسے بتا نہ دیتے کہ ہم تمھاری آزمایش ہیں، اس لیے تم اس کفر میں نہ پڑو۔ پھر بھی یہ ان سے وہ علم سیکھتے تھے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں، اور حقیقت یہ تھی کہ اللہ کی اجازت کے بغیر یہ اس سے کسی کا کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے۔ (یہ اس بات کو جانتے تھے) اور (اس کے باوجود) وہ چیزیں سیکھتے تھے جو انھیں کوئی نفع نہیں دیتی تھیں، بلکہ نقصان پہنچاتی تھیں، دراں حالیکہ انھیں معلوم تھا کہ جو ان چیزوں کا خریدار ہوا، اس کے لیے پھر آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، کیا ہی بری ہے وہ چیز جس کے بدلے میں انھوں نے اپنی جانیں بیچ دیں۔ اے کاش، یہ جانتے۔ اور اگر یہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے ہاں جو صلہ انھیں ملتا، وہ ان کے لیے کہیں بہتر تھا۔ اے کاش، یہ سمجھتے۔'' (۲:۱۰۱۔۱۰۳)

مدعا یہ ہے کہ یہ یہود کسی صورت بھی ماننے کے نہیں ہیں، دیکھو اب بھی یہی ہوا ہے کہ جب ہماری طرف سے یہ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِن کے پاس پہلے سے موجود پیش گوئیوں کے عین مطابق آئے ہیں تو اِس موقع پر چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی کتابِ تورات کی پیش گوئیوں پر اپنے ایمان کا حق ادا کرتے اور اُن کے اِس واضح مصداق محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لیکن ہوا یہ کہ اِنھی میں کے ایک گروہ نے اللہ کی اُس اتاری ہوئی کتابِ تورات کو اِس طرح اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا، گویا یہ اُسے جانتے ہی نہیں ہیں۔ اب اگر یہ ایسے ہو گئے ہیں کہ گویا اپنی کتاب ہی کو جانتے نہیں تو پھر اُس کی پیش گوئیوں کی یہ کیا پروا کریں گے، ظاہر ہے کہ اِن سے اِس کی توقع ہی محال ہے۔ پھر انھوں نے اِسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یہ اِس سے آگے بڑھ کر پیغمبر کو ضرر پہنچانے کے لیے اُن سفلی علوم کے پیچھے لگ گئے، جو سلیمان علیہ السلام کے زمانۂ سلطنت میں شیاطین پڑھتے پڑھاتے تھے۔

یہ یہود ایسے دیدہ دلیر ہیں کہ یہ اِن سفلی علوم کو سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اِن کا یہ خیال ہے کہ خدا کا وہ برگزیدہ نبی ایسے سفلی اور شیطانی علوم پڑھتا پڑھاتا تھا۔ اِن کی طرف سے یہ اُس پر صریح تہمت ہے۔ وہ اللہ کا نبی تھا، اُس کی شان اِس سے بہت بالا تھی کہ وہ ایسے سفلی علوم میں کوئی دلچسپی لے۔ اِن علوم کو اختیار کرنا تو سراسر کفر ہے۔ ہمارے نبی سلیمان علیہ السلام نے کبھی کفر نہیں کیا۔ ہاں اُس کے دور میں شیاطین ضرور یہ کفر کیا کرتے تھے۔ یہ شیاطین لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔

یہ یہود نہ صرف اِن شیطانی علوم کے پیچھے پڑے، بلکہ یہ اپنے سفلی عزائم کو پورا کرنے کے لیے اُس روحانی علم کے درپے بھی ہوئے جو ہم نے عراق کے شہر بابل میں لوگوں کی آزمایش کی خاطر دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا تھا۔ یہ دونوں اللہ کے فرشتے تھے، لہٰذا یہ سیکھنے والے کو یہ بات بتا دیتے تھے کہ دیکھو ہمیں تمھاری آزمایش کے لیے تمھارے پاس بھیجا گیا ہے۔ تم ہم سے یہ روحانی علم نہ سیکھو، یہ خطرناک ہے۔ تم اِس سے کسی فتنے میں گرفتار ہو کر کفر کے مرتکب ہو سکتے ہو۔ البتہ اگر تم اِس پر مصر ہو کہ تمھیں ہم سے ضرور یہ علم سیکھنا ہے تو پھر ہم تمھیں یہ سکھائے دیتے ہیں، لیکن اِس کے نقصان کی ذمہ داری تمھیں پر ہوگی۔

یہ سب کچھ سمجھانے کے باوجود، یہ اُن سے وہ روحانی علم سیکھا کرتے تھے اور اُس علم میں سے بھی اپنے سفلی مقاصد کے لیے خاص کر وہ حصہ سیکھتے جس سے یہ گھر میں ہنستے بستے میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیں۔

یہ علم کوئی مافوق الفطرت چیز نہ تھی۔ یہ اِس کائنات میں اللہ کے بے شمار جاری قوانین میں سے کچھ قوانین کا علم تھا، اِس کے علاوہ یہ کچھ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ اِس علم کے بارے میں بھی حقیقت یہی تھی کہ بہت سے دوسرے علوم کی طرح، اِس علم کے ساتھ بھی کوئی اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکتا تھا۔

یہ یہود اِس بات کو جانتے تھے کہ یہ جادو وغیرہ کا علم تو خیر ہے ہی کفر، یہ روحانی علم بھی اپنے اندر مضرت کے بے شمار پہلو رکھتا ہے، خصوصاً جب کہ یہ بری نیت کے ساتھ حاصل کیا گیا ہو۔ لیکن پھر بھی یہ لوگ وہ چیزیں سیکھتے تھے، جو اِنھیں کچھ بھی نفع نہ دیتیں اور بہت نقصان پہنچاتی تھیں۔ افسوس یہ ہے کہ اِنھیں یہ بھی معلوم تھا کہ جو شخص اِس دنیا میں اِن چیزوں سے اشتغال رکھے گا اور ایسے فتنوں میں پڑے گا، اُس کے لیے پھر آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اے مخاطب دیکھو کیا ہی بری ہے یہ چیز

جس کے بدلے میں اِنھوں نے اپنی آخرت گنوا دی اور ابدی گھاٹے میں پڑے؟ اے کاش! انھیں اِس نقصان کی حقیقت معلوم ہوتی۔

آج مدینہ کے یہ یہود ہمارے اِس نبی کو اِنھی سفلی علوم کے ذریعے سے نقصان پہنچانے کے لیے اپنے اسلاف کی راہ پر چل رہے ہیں۔ اِس راہ پر چلنا تو اِن کے لیے سراسر گھاٹے ہی کا باعث ہے۔ یہ اگر اپنے اِس رویے کے بجائے ہمارے اِس نبی پر ایمان لاتے اور خدا کے تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو اللہ کے ہاں اِنھیں بے حساب اجر ملتا۔ آخرت کا یہ اجر وثواب اِن کے لیے اُس گھاٹے سے کہیں بہتر تھا، جو اب اِس صورت میں اِن کا مقدر بن سکتا ہے۔ اے کاش یہ اِس بات کو سمجھتے ہوتے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد اسلم نجمی

خدا کی بندگی

''بے شک تمھارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں پیدا کیا، پھر وہ معاملات کا انتظام سنبھالے عرش پر متمکن ہوا۔ اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی نہیں۔ یہی اللہ تمھارا رب ہے تو اسی کی بندگی کرو، کیا تم سوچتے نہیں؟'' (یونس ۱۰:۳)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس آیت کے اولین مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم بنی اسمٰعیل کے لوگ ہیں۔ مشرکین مکہ اللہ کو اس کی ذات کی حد تک تو وحدہ لاشریک مانتے تھے، مگر اس کی صفات میں دوسروں کو شریک ٹھیرا کر انھیں الوہیت کے منصب پر فائز کر دیتے تھے۔ انھیں بتایا گیا ہے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان بنائے، وہی تمھارا رب اور آقا و مولیٰ ہے، لہٰذا جیسے اس کی ذات میں کوئی شریک نہیں ہے، اسی طرح وہ اپنی صفات اور حقوق میں بھی یکتا ہے۔ وہ اس کائنات کو پیدا کرنے کے بعد اس سے بے تعلق ہو کر نہیں بیٹھ گیا، بلکہ وہ اس کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے اور تنہا اس کا نظام چلا رہا ہے۔ وہ افراد اور قوموں کے ساتھ اپنے اصول و قوانین کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ ایسے قاعدوں اور ضابطوں کو جن کے مطابق وہ صفحۂ ہستی پر قوموں کے عروج و زوال اور بقا و فنا کی داستانیں رقم کرتا ہے، قرآن مجید میں اللہ کی سنتیں کہا گیا ہے اور ان کے بارے میں اس کا حتمی فیصلہ ہے کہ وہ اپنی سنتوں میں کوئی ردوبدل نہیں کرتا[1] اور نہ اس کی مخلوق میں سے کسی کو یہ زور و اختیار حاصل ہے کہ اسے ان سنتوں میں کسی تبدیلی اور ترمیم و اضافہ پر مجبور کر سکے۔ اس لیے اگر کوئی کوتاہ فہم مخلوق میں سے کسی کو اس کی ربوبیت میں شامل کر کے اپنا الہ بنا لیتا ہے اور پھر اس سے یہ توقع باندھ لیتا ہے کہ وہ ہستی قیامت میں خدا کی مرضی کے خلاف اس کے کام آ سکے گی تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ اسی بات کو 'ما من شفیع الا من بعد اذنه'[2] (اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی نہیں)

۱؎ الاحزاب ۳۳:۶۲، فاطر ۳۵:۴۳، الفتح ۴۸:۲۳۔

۲؎ یونس ۱۰:۳۔

اور 'من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ'[3] (کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے) کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

انسان اپنی ضعیف الاعتقادی کے باعث اکثر اوقات ایسی گمراہیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ شرک ایک عالم گیر ضلالت ہے۔ یہ ضلالت مشرکینِ مکہ تک محدود تک نہیں تھی، بلکہ اس کے آثار و شواہد ہر دور میں موجود رہے ہیں اور المیہ یہ ہے کہ مسلمان معاشرے بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہے۔

آج کے دور میں اگرچہ اپنے آپ کو ہم دین توحید کے علم بردار سمجھتے ہیں، مگر اس کے باوجود شرک کی بہت سے خفی اور جلی صورتیں اختیار کیے ہوئے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ ہم یہ جرم دین کے نام پر کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں دوٹوک الفاظ میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ شرک ناقابلِ معافی جرم ہے[4]، اس لیے بندۂ مومن کی اولین ترجیح عقیدۂ توحید کی اصلاح ہونی چاہیے۔

> ''اس زمانے میں لوگوں کے اندر یہ گمراہی بہت عام ہے کہ وہ نجات کے لیے صرف چند باتوں کو مان لینا کافی سمجھتے ہیں، اعمال و اخلاق کو کوئی اہمیت نہیں دیتے کہ اس پر نجات کو منحصر سمجھیں۔ یہ گمراہی پہلے صرف بعض فرقوں میں محدود تھی، لیکن اس زمانہ میں یہ ہماری اکثریت کا دین بن گئی ہے، یہاں تک کہ اب اس کے خلاف کچھ کہنا بھی آسان نہیں رہا۔ افسوس ہے کہ یہ بات جتنی ہی عام اور مقبول ہے، اتنی ہی اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے خلاف ہے۔ قرآن میں 'امنوا' کے ساتھ 'وعملوا الصلحت' اس اہتمام و التزام کے ساتھ آتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ہر مومن کے ایمان کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ اس سے اعمالِ صالحہ وجود پزیر ہوں۔ ......قرآن نے ایمان کو ایک ایسے مثمر درخت سے تشبیہ دی ہے جس کی جڑیں زمین میں گہری اتری ہوئی اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہوں اور وہ برابر ہر موسم میں ثمر باری کر رہا ہو۔'' (تزکیۂ نفس، مولانا امین احسن اصلاحی ۲/ ۱۴)

---

[3] البقرہ ۲: ۲۵۵۔

[4] النساء ۴: ۴۸، ۱۱۶۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

محمد اسلم نجمی

پیغمبر کی بیعت

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بہت سے صحابہ جمع تھے کہ آپ نے فرمایا: تم میرے ہاتھ پر بیعت (یعنی عہد) کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھیراؤ گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے بارے میں (یعنی جھوٹ بولتے ہوئے اور جنسی معاملات میں ایک دوسرے پر) بہتان نہیں لگاؤ گے اور معروف (یعنی نیکی اور خیر) کے کاموں میں اطاعت کا رویہ اپناؤ گے اور نافرمانی نہیں کرو گے۔

یاد رکھو، جو شخص (اس بیعت میں مذکور چیزوں کے بارے میں) اپنا وعدہ پورا کرے گا، اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کی نافرمانی کرے گا، اسے اگر دنیا میں اس کے کیے کی سزا مل گئی تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گی اور کسی نے نافرمانی کی اور اللہ نے (اس کی پردہ پوشی کی اور) اسے ڈھانپ لیا تو (تم بھی اس کا پردہ رکھو اور اس کے گناہ کا اشتہار نہ دیتے پھرو، کیونکہ اب) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، وہ چاہے تو اسے سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔

صحابۂ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے (ان ساری باتوں پر) آپ کی بیعت کی۔ (مشکوٰۃ، رقم ۱۸)

یہ اس بیعت کا بیان ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اپنے پیروکاروں سے لی۔

حدیث اپنے مضامین و معانی کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔ البتہ یہ بات کہ کسی گناہ کی دنیا میں سزا آخرت میں اس کے لیے کفارہ بن جائے گی، اس کے لیے ضروری ہے کہ بندہ توبہ کرے۔ وہ اپنے کیے پر نادم ہو، آیندہ ایسے گناہوں سے باز رہنے کا عہد کرے اور اگر کسی کی حق تلفی ہوئی ہے تو جہاں تک ہو سکے اس کی تلافی کرے۔ اس کے بعد وہ خدا کا سچا فرماں بردار، مخلص اور اطاعت شعار بندہ بن کر جینے کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لے۔

آخرت میں کسی گناہ سے نجات پانے اور توبہ قبول ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دنیا میں خدا کی طرف سے ملنے والی سزا کو دل کی رضامندی کے ساتھ ایسے قبول کرے جیسا کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کیا کرتے تھے۔ اس کا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مطلب یہ ہے کہ وہ یہ یقین رکھے کہ اگرچہ یہ سزا دنیا میں اپنے ظاہر کے اعتبار سے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہے، مگر آخرت کے حوالے سے سراپا خیر اور اللہ کی رحمت ہے۔ وہ اسے اللہ کی عنایت اور احسان سمجھے کہ اس نے دنیا میں سزا دے کر حشر کی رسوائی سے بچا لیا اور آخرت میں اس کی نیکیوں کا اجر محفوظ ہو گیا۔ احادیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ان اہل ایمان کو مفلس اور کنگال قرار دیا ہے جو نماز پڑھتے، روزے رکھتے، زکوٰۃ دیتے اور اس طرح کے بہت سے نیک کام کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ دوسروں کا حق مارتے ہیں، بہتان لگاتے ہیں، گالی دیتے ہیں، ناجائز طریقوں سے اپنے بھائیوں کا مال کھا جاتے ہیں اور بعض اوقات قتل ناحق جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ موت کے بعد جب قیامت آئے گی اور ایسے لوگوں کا حساب و کتاب ہو گا تو ان کی نیکیاں مظلوموں میں بانٹ دی جائیں گی۔ اور اگر دوسروں کا حق ان پر ابھی باقی تھا اور ان کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو حق داروں کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے اور اس طرح وہ دنیا میں بہت سی نیکیاں کرنے کے باوجود ان کے اجر سے محروم ہو جائیں گے اور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی پردہ پوشی کرنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں یوں بیان فرمایا ہے کہ جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی (سے جرم سرزد ہو جانے پر اس کے گناہ) کی پردہ پوشی کی، اللہ قیامت کے روز اس کا پردہ رکھے گا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خورشید ندیم

احساس زیاں

سید احمد شہید کی عظیم الشان تحریک پر کیسے کیسے لوگوں نے قلم اٹھایا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، غلام رسول مہر، محی الدین، قمر احمد عثمانی، آبادشاہ پوری۔ لیکن عقیدت کا حصار اتنا مضبوط تھا کہ قلم نے انشا پردازی کے جو کمالات دکھائے وہ فضائل و مناقب اور مصائب کے ابواب ہی تک محدود رہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کا بے پناہ قلم یقیناً اس کی صلاحیت رکھتا تھا کہ وہ عقیدیت کے اس حصار کو توڑ سکے، لیکن یہ موضوع ان کی علمی ترجیحات میں جگہ ہی نہیں پا سکا۔ انھوں نے ''تجدید و احیائے دین'' میں اس حوالے سے محض چند صفحات لکھے۔ اس کتاب کا موضوع شاید اس سے زیادہ کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

یہ معاملہ محض تحریک مجاہدین ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ ہم نے ہمیشہ مذہب کے نام پر اٹھنے والی تحریکوں اور افراد کو عقیدت کی نظر سے دیکھا یا پھر ان کی مذمت کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم میں انسانی کاوشوں کو اس معیار پر پرکھنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی جو انسانی تاریخ کے فہم کا ایک ناگزیر تقاضا ہے۔ کیا وہ لوگ اسی خطے کے نہیں تھے جنھوں نے غلام احمد قادیانی جیسے شخص کو پیغمبر بنا ڈالا اور کیا وہ بھی ہمارے ہی بھائی اور احباب نہیں تھے جنھوں نے حمید الدین فراہی، شبلی اور اقبال جیسے لوگوں کو کافر کہا؟

تاریخ اس کے سوا کیا ہے کہ انسانی اعمال کی داستان ہے۔ اس آخری ہستی کو دنیا سے رخصت ہوئے چودہ سو سال ہو گئے ہیں جو وحی کی زبان سے کلام کرتی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ ہے، اس کے بارے میں امام ابوحنیفہ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرما کر گویا مسئلہ حل کر دیا کہ: ''ھم رجال و نحن رجال''۔ ''وہ بھی انسان ہیں اور ہم بھی انسان۔'' ابوحنیفہ جیسے لوگ جب امت میں کم پیدا ہوئے تو اس کا ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ اس جملے کی عملی شرح کرنے والے بھی ناپید ہو گئے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم نے بالاکوٹ سے افغانستان تک محض معجزے اور کرامات تلاش کیں اور اس پیمانے پر واقعات کی تعبیر نہیں کی کہ ہم عالم اسباب میں زندہ ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ایک سنت ہے اور وہ اپنی سنتوں کو کبھی تبدیل نہیں کرتا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس رویے پر ہم کچھ ایسے مصر ہیں کہ آج محض جذبات کے سوداگر بن کر رہ گئے ہیں۔ جذبات کی اس تجارت کا حاصل نوحہ گروں کا ایک قافلہ ہے جس کا اب بھی اصرار ہے کہ جنگ جاری رہے گی۔ تو کیا کابل کے اس حادثے کے بعد بھی تاریخ نویسی کی یہ روایت باقی رہے گی؟ کیا ہر المیہ کا حاصل صرف یہ ہے کہ ہمارے ادب میں ایک آدھ ''اور تلوار ٹوٹ گئی'' کا اضافہ ہو جائے؟ کیا ہم اس پیمانے پر اپنی تاریخ کا جائزہ نہیں لیں گے کہ یہ ایسے انسانوں کا کام ہے جو اپنی بصیرت سے فیصلے کرتے تھے؟ رہی بات نیت اور اخلاص کی تو اسے ناپنے کا کوئی پیمانہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ اس بارے میں تو حسن ظن ہی کو غالب رہنا چاہیے الاّ یہ کہ حقائق کسی اور سمت میں راہنمائی کریں۔ اب خلوص نیت کا فیصلہ تو آخرت میں ہونا ہے اور وہ یقیناً اس بات پر منحصر نہیں ہے کہ دنیا میں فتح ہوئی یا شکست۔ جہاں تک عالم اسباب کا تعلق ہے تو کسی واقعہ کا تجزیہ کرتے وقت بہر حال انسانی بصیرت ہی کو زیر بحث آنا چاہیے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرتے رہیں اور اگر کہیں ایک لائحۂ عمل ناکام ہوا ہے تو وہ اگلے مرحلے پر دوبارہ اسی پر اصرار نہ کریں۔ اگر ۱۸۳۱ء میں ہم سانحہ بالاکوٹ کا اس انداز سے تجزیہ کرتے تو شاید پھر ۱۸۵۷ء میں مقتل مسلمانوں ہی سے آباد نہ ہوتا۔ اگر ۱۸۵۷ء کے حادثے سے عبرت پکڑتے تو پھر مسلمانوں کی تاریخ میں کسی ناکام مسلح بغاوت کا ذکر نہ ملتا۔ یہ تو بھلا ہو سر سید کا یا پھر دار العلوم دیوبند اور ندوہ کے بانیوں کا کہ آج جنوبی ایشیا میں ہمارا تشخص قائم ہے یا پھر اقبال اور جناح کا جنھوں نے وقت کے بدلتے تیور دیکھ کر مسلمانوں کو میدان کارزار سے اٹھایا اور سیاست کی وادی میں لاکھڑا کیا۔ گویا عملاً یہ درس دیا کہ جدوجہد اور جہاد کا میدان اب بدل چکا ہے۔

آج اس جہاد کی نوعیت ایک مرتبہ پھر تبدیل ہو گئی ہے۔ یہ جنگ اب علم کی وادیوں میں ہو رہی ہے۔ یہ معرکہ اب ٹیکنالوجی کے میدان میں برپا ہے۔ ہم قبائلی معاشرت میں زندہ نہیں ہیں، اکیسویں صدی میں جی رہے ہیں۔ معاملہ منظّم فوجوں سے بھی آگے نکل چکا ہے۔ سپر کمپیوٹر کی آمد کے بعد لوگ نیوکلیر ٹیکنالوجی کو عہد رفتہ کا حصہ سمجھنے لگے ہیں۔ اس تہذیبی ارتقا سے بے نیازی اور محض جذبے کا سہارا، شہادت سے تو ہم کنار کر سکتا ہے فتح سے نہیں۔ اگر مقصود عہد حاضر کے مسلمانوں کی نجات ہے تو اس کا راستہ یہی ہے کہ مقابلے کے اس نئے میدان میں قدم رکھا جائے۔ آج واشنگٹن اور نیویارک کی تباہی یہی ہے کہ ان کی گلیاں ویران ہو جائیں اور ان کی عمارتیں انسانوں سے خالی ہو جائیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب تہذیب و تمدن اور معیشت کے مراکز وہاں سے مکہ اور مدینہ یا اسلام آباد اور کابل منتقل ہو جائیں۔ پھر لوگ ان خطوں کی زیارت کے لیے عازم سفر ہوں گے۔ پھر یہاں کے باسیوں کی تقلید کی جائے گی۔ پھر یہاں سے فرمان جاری ہوں گے اور دنیا کی حکومتیں بدل جائیں گی۔ یہ کام صرف علمی اور تہذیبی برتری سے ہو سکتا ہے۔ مسلمان جب تک اس میدان کو اپنی تگ و دو کا مرکز نہیں بنائیں گے، المیہ داستانوں کا یہ سلسلہ رکنے والا نہیں ہے۔

افغانستان میں جو کچھ ہوا اس میں سے کوئی بات غیر متوقع نہیں تھی۔ یہ سب کچھ نوشتۂ دیوار تھا۔ دو ماہ پہلے ہمارے پاس یہ انتخاب تھا کہ ہم کابل کا تخت ہزاروں افراد کو قربان کر کے خالی کرتے ہیں یا اس کے بغیر۔ ہم نے پہلے راستے کا انتخاب کیا۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

کوئی چاہے تو اسے عزیمت کہہ سکتا ہے، لیکن میں مومن کی اس فراست گم گشتہ کی تلاش میں ہوں جس سے بچنے کا مشورہ اللہ کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانے کو دیا تھا۔ تاریخ نے ہم پر عنایت کی کہ دین کو اپنی پہلی ترجیح قرار دینے والوں پر ایوان اقتدار کے دروازے کھول دیے، لیکن ہم نے اس ایوان کے ہر اس باب کو وا کیا جہاں سے کوئی خطرہ داخل ہو سکتا تھا۔ ہر اس سوراخ کو کھولا جہاں سے کوئی سانپ اور بچھو اندر آ سکتا تھا۔ نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا تھا۔ آج افغانستان پھر ایک جنگل ہے جہاں خوف و ہراس کا راج ہے اور درندے دندناتے پھر رہے ہیں ''افغان باقی، کہسار باقی'' کے خالق اقبال کی آواز دور کوہساروں سے سنائی دے رہی ہیں:

میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے میں ملا ہوں غازی

آج لازم ہے کہ طالبان کے عنوان سے ہماری تاریخ میں رقم ہونے والے اس نئے باب کا جائزہ لیا جائے، لیکن اس کے لیے عقیدت میں ڈوبا ہوا نہیں، بلکہ حقیقت نگار قلم چاہیے۔ وہ قلم جو کرامات تلاش کرنے کا رسیا نہ ہو، عالم اسباب میں جاری اللہ کی سنت کا ادرک رکھنے والا ہو۔ میں تو اس سے بڑھ کر یہ کہنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ ہمیں اپنی پوری تاریخ پر اسی پیمانے سے نظر ثانی کرنی چاہیے۔ تحریک مجاہدین، تحریک آزادی، بنگال کی خفیہ جدوجہد اور عصر حاضر میں فلسطین اور کشمیر سمیت، ہر اس المیے کو سمجھنا چاہیے جس سے مسلمانوں کو دکھوں، مصائب اور ایسے صاحبان خیر سے محرومی کے سوا کچھ نہیں ملا جو سیدنا مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں اس زمین کا نمک تھے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تعلیم القرآن پروگرام

ابتدائی عربی گرامر جاننے والوں کے لیے مطالعۂ قرآن حکیم کے اسباق مرتب کیے گئے ہیں۔ ان سے وہ لوگ بھی استفادہ کر رہے ہیں جو عربی گرامر نہیں جانتے۔ ان اسباق میں الفاظ کے معانی، جملے کی ترکیب اور ترجمے کے ساتھ ضروری وضاحتیں دی گئی ہیں۔ سورۂ بقرہ کے ۱۳۴ اسباق مرتب ہو چکے ہیں۔ سورۂ آل عمران کے اسباق مرتب کرنے کا کام جاری ہے۔

ان اسباق کی کوئی فیس نہیں ہے۔ اپنے ذاتی کوائف بھیج کر بطور نمونہ تین اسباق طلب کر لیں۔ اس کے بعد مطالعہ کو جاری رکھنے یا ترک کرنے کا فیصلہ کریں۔

البلاغ فاؤنڈیشن

60-A ایف سی سی گلبرگ IV لاہور۔ فون: 5719183۔ ای میل: anee287@one.net.pk

خیال و خامہ

(۵)

گزشتہ سے پیوستہ

نواسنج وادی میں مرغِ سحر — خرد اُس کے نغموں سے روشن بصر
افق پہ وہی جلوۂ آفتاب — نہیں ظلمتوں میں ٹھہرنے کی تاب
یہ اٹھتی ہوئی بدلیاں ہر طرف — یہ اک نور کا طَیلساں ہر طرف
فضا رنگ افشاں، ہوا عطر بیز — ہر اندوہِ ہستی سے اُس کو گریز
پرندوں کے نغمے، یہ رنگِ سخن — مرے بربطِ دل میں پوشیدہ فن
مرے لفظ و معنی میں پنہاں گداز — وہ آتش بہ دل، دل بداماں گداز
مری جنبشِ لب پہ رقصاں گداز — مرے دیدۂ تر میں لرزاں گداز
وہ نغمہ، وہ روح و بدن کی تپش — وہ حرفِ تمنّا، وہ دل کی خلش

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وہ برہا، نہاں جس میں سوزِ جگر — ہر آہنگ شعلہ، ہر اک لَے شرر
وہ گریہ کہ ہر لحظہ آتش نفس — وہ نالہ کہ ہر لمحہ افلاک رس
ہوا اِس کی مضراب سے نغمہ زن — مری آرزووں کا سازِ کہن
مرا دل، مری خاک بیدار تر — مری چشمِ نم ناک بیدار تر
نئے آسمانوں میں گرمِ سفر — مری جستجوؤں کا ذوقِ نظر
نمایاں ہے پھر مرحِ شش جہات — تخیل کے پردوں پہ رقصاں حیات
نظر اٹھ گئی ناگہاں سامنے! — کہ منظر تھا اک دل ستاں سامنے!
یہ منظر، یہ اک کیمیاے فتوح — کہ ہو جس سے مٹی میں آباد روح
زمستاں ہو صبحِ بہاراں تمام — بیاباں ہو صحنِ گلستاں تمام
یہ منظر، یہ فردوسِ قلب و نظر — یہ اک عالمِ نو، جہانِ دگر
اِدھر عالمِ وجد میں زندہ رُودؔ — نوا ایک شعلہ، فغاں موجِ دود
نگاہوں میں ہر لحظہ اک رستخیز — ہر اک موج ساحل سے گرمِ ستیز

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

٥ شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کا نام جو انھوں نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "جاوید نامہ" میں خود اپنے لیے اختیار کیا ہے۔

نفس پارہ پارہ ، نظر چاک چاک — تلاطم میں ہے قعرِ دریا کی خاک
زباں لفظ و معنی کی اک کہکشاں — بیاں لعل و گوہر کی جوئے رواں
اُدھر بزمِ شبلیؔ میں صحبت نشیں — دلآویز، پرسوز ، روشن جبیں
دبستانِ شبلیؔ کے خیرالکرام — فراہیؔ ، وہ مودودیؔ و بوالکلامؔ
ذرا دور گوشے میں خلوت گزیں — اسی علم و حکمت کا حسنِ حسیں
فراہیؔ کے فکر و نظر کا امیں[°]

○

وہ بزمِ علم میں اربابِ جستجو کا امام
کھلے ہیں جس کے تدبّر سے لامکاں کے رموز
وہ اِس زمانے میں اگلوں کی رفعتوں کا مثیل
وہ اُس زمانے کی کھوئی ہوئی نوا کا بروز

° امین احسن اصلاحی ، صاحبِ "تدبرِ قرآن"

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عجم میں قافلۂ شوق کی متاعِ جلیل

مرے زمانے میں عقلِ گریزپا کا حریف

مری حیاتِ مسلسل کی دل نشیں تعبیر

گواہ جس کی صداقت پہ خود قلم کی صریف

بہت قدیم قبائل کے شاعروں کا خیال

روایتوں کی حقیقت، حکایتوں کا وجود

نخیلِ کہنہ کے سایے میں ایک مردِ فقیر

نئے زمانوں کی جس کے نفس نفس سے نمود

وہ قافلوں کا تواتر تھا پھر بھی تنہا تھا

وہ اپنے ذرۂ ہستی میں ایک صحرا تھا

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org